ماہنامہ خالد ربوہ

۱۳ر جون ۱۹۸۰ء کو حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے چار نونہالانِ احمدیت کو عظیم تعلیمی منصوبہ کے پہلے اجتماع میں طلائی تمغے پہنائے۔

ایڈیٹر
محمد الیاس منیر

اگست ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسبقوا الخیرات

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں"

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ **خالد** ربوہ

جلد ۲۷ شمارہ ۱۰

ظہور ۱۳۵۹ ہش

اگست ۱۹۸۰ء

ایڈیٹر
محمد الیاس منیر

نائبین:- اخلاق احمد انجم - اظہر احمد -

ترتیب و تزئین:- منصور احمد عارف

پبلشر:- مبارک احمد خالد - پرنٹر:- سید عبدالحی
مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت:- دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

ترتیب

سرورق

تصویر ۱ - جناب محمد لئیق احمد ایم اے پولیٹیکل سائنس
" ۲ - جناب آفتاب احمد ایف ایس سی ملتان بورڈ
" ۳ - جناب عبدالقادر بی اے آنرز حیدرآباد
" ۴ - جناب نعیم الحق خان ایم اے سائیکالوجی کراچی

قیمت:- سالانہ:- ۱۵ روپے

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں !

۳۳ سال قبل

وقت کے دوراہے پر کھڑا سوچتا ہوں۔ وقت کی وادیوں میں سے ہوتا ہوا میں آخر ایک وادی میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں وہاں کا ہر شخص بے چینی و بے اطمینانی کا شکار ہے —— ایک گروہ ہوس و حرص میں گرفتار دوسرے گروہ کے ساتھ برسرِ پیکار ہے —— اس کے حقوق پر اپنے دانت تیز کر رہا ہے۔ اس کے ظلم کی وجہ سے اس حسین وادی کی بل کھاتی خوبصورت ندیوں میں چمکتا پانی نہیں، خون بہتا نظر آیا —— وہاں مؤانست و موافقت کی بادِ نسیم کے ٹھنڈے جھونکوں کی بجائے نفرت و نخوت کے طوفان اور جھکڑ چل رہے تھے، جنہوں نے پیار کے چراغ بجھا دیئے تھے —— خاک اور خون سے لتھڑے ہوئے ان مظلوموں میں دور ایک نحیف و ضعیف وجود بھی نظر آیا —— جو اپنی اس قوم کے غم میں گھلا جا رہا تھا —— اسے بس ایک ہی فکر تھی —— اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بینر پہ ایک ہی نعرہ تھا ——

"مسلمان اکثریت والے علاقوں میں آزاد مسلمان مملکت قائم ہونی چاہیئے"

میں نے اس لاغر جسم وجود کو دیکھا کہ آخر وہ اپنا مقصود پا گیا اور اپنی قوم کو ایک آزاد ریاست دے گیا - اس کامیابی کے بعد میں اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھے ایک پیغام دیا —— باہمی محبت مودت اور الفت کا پیغام —— ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، مؤانست و موافقت اور یگانگت کا پیغام آپس میں پیار، رواداری، اور بھائی چارہ کا پیغام —— سارے شہر کو امن و آشتی اور امن کا گہوارہ بنا دینے کا پیغام، اور اس نے کہا ——

اسی میں ہماری قوم کی زندگی —— اسی میں ہمارے وطن کے استحکام اور سالمیت کا راز مضمر ہے !!

حصولِ پاکستان اور اس کے استحکام کیلئے

قائداعظمؒ کی طلبہ کو نصیحتیں

جناب مسعود احمد خان ۔ ربوہ

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ واقعی ایک سچے اور خیرخواہ رہنما تھے۔ ان کی قیادت کی خصوصیت جس نے ان کو اپنی زندگی میں ہی اپنے مقصد کی کامیابی سے ہم کنار کیا وہ خلوص تھا جس کی وجہ سے کبھی بھی انہوں نے ذاتی شہرت اور ہردلعزیزی کی خاطر سستے نعروں یا وقتی جوش و خروش سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی۔ آپ سستی شہرت سے اس قدر دور رہتے کہ اگر ایک وقت ان کو متانت اور سنجیدگی سے قوم کی رہنمائی کرنا دشوار ہو گئی تو انہوں نے بہ طیب خاطر سیاست سے ریٹائر ہو جانا قبول کیا بلکہ انگلستان میں آباد ہو کر وطن کی قربانی دینے کی بھی ٹھان لی۔ لیکن شرافت اور وقار کے اس پیمان سے اترنا گوارہ نہ کیا۔ گویا اپنا تمام سیاسی کیریئر داؤ پر لگا دیا۔

اور وہ وقت مسلمانوں کے لئے واقعی بہت سخت تھا جبکہ اغیار ہر طرح اپنے آپ کو منظم کر رہے تھے اور نوجوانوں کی تنظیمیں ہندوستان کے نام پر سرگرم عمل ہو رہی تھیں جس سے مسلمان نوجوانوں کا متاثر ہو جانا ایک لازمی بات ہو سکتی تھی اور اس نازک وقت میں دو ایسے نادر وجود ابھرے جنہوں نے غیر اسلامی اثرات سے قوم کے بچوں کو بچانے کی کوشش کی اور ہر طرح غیروں کے مذموم عزائم کا باوقار شریفانہ اور اسلامی اخلاق سے مزین [illegible] کے آگے [illegible] کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک [illegible] احمدی نوجوانوں کو [illegible] یہ صور ان کے کانوں میں پھونکا۔

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔"

نوجوانوں کو نظر انداز کرنا ایسا ہے جیسے ٹیوب ویل کے حوض کی نالی کھول کر خود ٹیوب ویل کو بند کر دیا جائے جب ایک نسل ختم ہو جائے تو اس کے جانشین تیار نہ ہوں تو قوم کی اصلاح کیا خاک ہوگی جب تعمیری کام آگے بڑھانے والے ہی میسر نہ ہوں۔ دوسرے قائداعظم محمد علی جناح، جنہوں نے مسلم لیگ کے احیاء کا بیڑا اٹھایا تو نوجوانوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلنے کی سعی فرمائی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں عید کے پیغام میں آپ نے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہم پچھلی نسل کے لوگوں کو جتنی بھی آزمائشیں در پیش آنی تھیں اور آچکی ہیں۔ لیکن آج کی رات میں اپنے نوجوان دوستوں کی صحبت میں

ان کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ آج کی رات
میں ان کھنڈروں میں چھپے ہوئے جوان
ہندوں کے تازہ سرچشموں کو چھونا چاہتا ہوں
کیونکہ یہی ہیں وہ مردانِ عمل جو آئندہ
ہماری قوم کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔"

(پیام عید ۲۱ نومبر ۱۹۴۱ء قائد اعظم کا پیغام
شائع کردہ پاکستان اکیڈمی، صفحہ ۸۰)

اس میں شک نہیں کہ مسلمان طلبہ قائد اعظم کی
شخصیت اور قیادت کے زیر اثر قوم کا ایک نمایاں حصہ
بن گئے تھے۔ لیکن ان کی فعالیت کا قائد اعظم نے کبھی یہ
مطلب نہیں لیا کہ اب اس طبقہ کو مسلم لیگ کے پروگرام
کو مشتہر بنانے کے لئے ذریعہ استعمال کیا جائے یہ
سمجھ کر کہ مسلم لیگ کی قوت کی دہشت طاری ہو جائے
خواہ ان کی [illegible] تعلیم میں رخنہ ہی کیوں نہ پڑ جائے۔
قائد اعظم کو مسلم لیگ کی تنظیم نہیں اگر کوئی چیز سے
[illegible] تو وہ تمام نوجوانوں کی عموماً اور مسلم طلبہ کی خصوصاً
تربیت تھی۔ اس لئے جب کبھی ان کو طلبہ کے ساتھ
تھوڑا سا وقت گزارنے کا موقع ملتا وہ اس سے پوری
طرح فائدہ اٹھاتے تھے۔ بعض اوقات مسلم لیگ کے اہم جلسے
اہم مسلم تعلیمی اداروں میں منعقد کئے تاکہ طلبہ
اپنے زعماء کو میدانِ عمل میں دیکھ کر قومی جذبہ سے
سرشار ہوں اور اپنی آئندہ کی ذمہ داریاں سمجھیں۔ ان
میں اہلیت پیدا ہو۔ علی گڑھ میں تو ہر سال وہ کچھ نہ
کچھ وقت نکال کر یونیورسٹی یونین کے مہمان کی حیثیت
سے تشریف لے جاتے تھے لیکن اسلامیہ کالج لاہور،
اسلامیہ کالج پشاور اور اسی طرح بعض دوسرے تعلیمی
ادارے بھی ان کی تشریف آوری سے محروم نہ رہے۔ مجھے
خود ایک ایسے ہی ادارے کا طالب علم ہونے کا شرف
حاصل ہے جو دہلی کا مشہور ادارہ اینگلو عربک کالج
تھا۔ جو دراصل قدیم دہلی مدرسہ کا ہی نیا روپ تھا
اور یہ ادارہ وہ مایۂ ناز نادرِ علمی تھا کہ اگر
علی گڑھ کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اس کا قیام پاکستان کے
لئے ایک بنیادی اینٹ ثابت ہوا تو اسی بنیادی اینٹ
کے رکھنے والے ہاتھوں کی تربیت دہلی مدرسہ کا سرمایۂ
افتخار رہی کیونکہ سر سید احمد خان اسی مدرسہ کی
پیداوار تھے۔ ہمارے کالج پر قائد اعظم کی ایسی نظرِ
شفقت تھی کہ ایک دفعہ ایک سالانہ جلسہ سے خطاب
کرتے ہوئے دہلی کے [illegible] پریڈ گراؤنڈ میں انہوں
نے مسلمانوں کو غیرت دلائی کہ اسی دہلی میں جہاں مسلمانوں کی
چھ سات سو سالہ حکومت کے آثار آج بھی ان کی عظمت
کی یاد دلاتے ہیں [illegible] مسلمانوں پر زوال طاری ہے
کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے درجنوں کالجوں کے
مقابلہ پر ایک کالج کو بھی مالی الجھنوں کے ساتھ
چلا سکتے اور آئے دن اس کی مالی بدحالی کا
[illegible] کی خبریں سنتا رہتا ہوں۔ لیکن باوجود اس
[illegible] کے انتظام کے بارے میں ایسی نیک رائے رکھنا
کہ اس کے طلبہ اور اس ادارے سے ان کو اس قدر پیار
تھا کہ جب بھی کالج نے ان کی خدمت میں تشریف آوری
کے لئے استدعا کی انہوں نے اس کو شرف قبولیت بخشا اور
اپنی بہت سی مصروفیات سے اس کو نوازا۔

دہلی میں آئے دن مسلم لیگ کونسل اور ورکنگ کمیٹی کے جلسے ہوتے رہتے تھے اور دو بار قائد اعظم نے مسلم لیگ کے عظیم اجتماعات اسی کالج کی چار دیواری میں منعقد کرائے۔ وہ نظارہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ کالج لگا ہوا ہے پیریڈز ہو رہے ہیں گھنٹی بج رہی ہے اساتذہ مستعدی سے اپنی کلاسیں لے رہے ہیں اور قائد اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کونسلرز کے ساتھ ہال میں پاکستان کے حصول کی جدوجہد کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہیں یہ قائد اعظم کی قیادت کا ناقوس ہی تھا جو بیداری کے ساتھ متانت سنجیدگی اور نظم و ضبط کا سبق سیکھنے والوں کے کانوں میں پھونک دیتا تھا کالج میں اس قدر سکون تھا کہ گویا کالج پرنسپل صاحب کی نہیں قائد اعظم کی سربراہی میں لگا ہوا ہو دوسری بار اسی وقت تشریف لائے جب ۱۹۴۶ء میں تاریخ ساز انتخابی نتیجے کے بعد مسلم لیگ ممبران مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کا کنونشن بھی اسی کالج میں منعقد ہوا۔

قائد اعظم کو سیاست میں جس چیز سے نفرت تھی وہ شور شرابے اور ہنگاموں سے تھی اور قوم کے جس طبقہ کو خاص طور سے وہ اس قبیح سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے وہ طلباء نوجوان تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی کی سول نافرمانی اور ترک موالات کے سوال پر کانگریس سے استعفیٰ دیا اور ۲۰ ہزار کے مجمع میں اس مرد آہن نے تنہا گاندھی کے خلاف تمام سحر کا مقابلہ ایک چٹان کی طرح کیا حتیٰ کہ انگلستان کی لیبر پارٹی کے [illegible] کانگریس کے ہمنواؤں نے ہندوستان میں جمہوریت کے پنپنے کی پیشگوئی کی کہ جب تک محمد علی جناح جیسا ایک آدمی بھی سول نافرمانی اور ترک موالات کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا مقابلہ کرنے کی تاب رکھتا ہے ہندوستان میں جمہوریت کے کامیابی سے قائم ہو جانے پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ اس مخالفت کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ سول نافرمانی یا قانون شکنی کی اس تحریک میں سکولوں اور کالجوں میں ہڑتال کرانا ہی پروگرام کا اہم حصہ تھا اور ساتھ ہی حکومت سے امداد حاصل کرنے والے اداروں کا بائیکاٹ کرنا بھی تھا۔ قائد اعظم نے کہا کہ ناتجربہ کار اور ناپختہ ذہنوں کو جب بائیکاٹ اور قانون شکنی کی تلقین کرو گے تو یقیناً نتیجہ ہنگاموں مار دھاڑ اور فساد میں نکلے گا اور مسٹر گاندھی کا یہ کہنا کہ وہ عدم تشدد سے آزادی حاصل کر لیں گے ایک ڈھونگ بن کر رہ جائے گا۔ دوسری بات قائد اعظم نے یہ کہی کہ امدادی اداروں کا بائیکاٹ اس وقت زیب دیتا ہے جب تمہارے پاس متبادل ادارے تیار موجود ہوں ورنہ سکولوں اور کالجوں سے طلبہ کو نکال کر ان کو آوارہ گردی کے لئے چھوڑ دینا کوئی عقلمندی نہیں لیکن اس وقت ان کی بات کسی نے نہ سنی اور انہوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا۔

قائد اعظم خود بھی امن پسند تھے اور قوم کو بھی آئین کی پابندی سکھانا چاہتے تھے اسی لئے انہوں نے کبھی غیر آئینی ہتھکنڈوں کو اپنی سیاست کا آلۂ کار نہ بنایا اور طلبہ کو بھی ہنگاموں اور

تشدد کے ہر امکانی خطرہ کا ہر وقت نوٹس لیا اور اس کا سدِ باب کر دیا۔ ۱۹۴۳ء میں جبکہ تحریک پاکستان اپنے پورے شباب پر تھی کوئٹہ میں طلبہ نے آپ کو ایک "تلوار" تحفہ میں پیش کی۔ قائداعظم فوراً بھانپ گئے کہ طلبہ کے ایسے رجحانات کہیں ان کو اصل نصب العین یعنی تعلیم سے نہ ہٹا دیں۔ دوم یہ کہ "تلوار" کہیں انکو تشدد اور ہنگاموں کی طرف مائل نہ کر دے آپ نے فوراً انہیں متنبہ کیا۔

"یہ تلوار جو آپ نے مجھے عنایت کی ہے صرف حفاظت کیلئے اٹھے گی لیکن فی الحال جو سب سے ضروری امر ہے وہ تعلیم ہے۔ علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ جایئے اور علم حاصل کیجئے۔"

(قائداعظم کا پیغام شائع کردہ پاکستان اکیڈمی ص۱۸۱)

وہ نوجوانوں اور خصوصاً طلبہ میں جس تربیت کو از حد ضروری سمجھتے تھے اس کو انہوں نے پاکستان بننے کے بعد بحیثیت چیف سکاؤٹ اپنے پیغام میں یوں بیان فرمائی :-

"سکاؤٹنگ ہمارے نوجوانوں کے کردار کی تعمیر میں بہت اہم حصہ لے سکتی ہے۔ انکے جسمانی ذہنی اور روحانی ارتقاء میں ممد و معاون ہو سکتی ہے انہیں منظم اور اچھا شہری بنا سکتی ہے...... اگر ہمارے نوجوان ہر ایک کو دوست رکھنے ہر ایک کی ہمہ وقت خدمت کرنے اور ذاتی مفاد کو دوسروں کی بھلائی کے سامنے پس پشت ڈالنے خیال الفاظ اور عمل میں تشدد سے بچنے کا سبق سیکھ لیں تو مجھے امید واثق ہے کہ عالمگیر اخوت ہمارے امکان اور دسترس میں ہوگی :"

(حوالہ کتاب ایضاً صفحہ ۱۸۸ و ۱۸۹)

یہی نہیں کہ اچھے شہری بننے کی تلقین حصولِ پاکستان کے بعد کی بات ہی تھی بلکہ اس سے پہلے بھی برطانوی حکومت میں بھی وہ طلبہ کو یہی نصیحت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ طالب علم ان سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے شام کا وقت تھا۔ انہیں نصیحت کرتے ہوئے آپ نے اُن سے پوچھا کہ ان میں سے کتنوں کے بائیسکل میں لالٹین یا لائٹ کا انتظام موجود ہے اور اس معمولی قانون کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی پر آپ نے ان کو شرم دلائی کہ وہ کس طرح ایک اچھے شہری بن سکتے ہیں جبکہ "قانون کی خلاف ورزی" میں ایسے دیدہ دلیر ہوں۔ ان کو علم تھا کہ جب کوئی سیاسی لیڈر عوام سے بیداری کی بات کرتا ہے تو اس سے مراد سیاسی بیداری ہوتی ہے اور اس کا اظہار میدانِ عمل میں سر دھڑ کی بازی لگانے سے ہوتا ہے۔ لیکن قائداعظم کی سیاست بھی عجیب بانکپن کی حامل تھی کہ آپ طلبہ کو سیاست سے کنارہ کش ہونے کی تلقین فرماتے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں جالندھر کے مقام پر آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں فرمایا :-

جب تک آپ طالب علم ہیں آپ اپنی کوششوں کو محض تیاری تک محدود رکھیں اور عملی سیاست میں حصّہ نہ لیں.... میں نے ابھی کہا ہے کہ آپ عملی سیاست میں حصّہ نہ لیں میں اس کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ غلط فہمی کا اندیشہ نہ رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کریں جن کے وسیلے سے آپ طالب علمی کی زندگی ختم کرنے کے بعد عملی سیاست کی جدّوجہد میں کامیاب ہوں۔ آپ اپنے آپ کو تیار اور ضروری سازوسامان یعنی علم و آگاہی اور توفیقِ عمل سے آراستہ کریں آپ کی اولین اور اہم ضرورت ہے مطالعہ۔ مطالعہ۔ مطالعہ۔

(حوالہ کتاب قائداعظم کا پیغام صفحہ ۱۸۳)

قائداعظم خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ سیاست کی گہماگہمی میں نوجوان کسی نہ کسی طالع آزما اور مفاد پرست سیاسی لیڈر یا تنظیم کے شکار بن جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے طلبہ عام ڈھاکہ میں ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو تقریر فرماتے ہوئے توجہ دلائی۔

میرے نوجوان دوستو! میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کسی سیاسی جماعت کا آلۂ کار بن گئے تو یہ آپ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ یاد رکھئے کہ اب ایک انقلابی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ اب ہماری اپنی حکومت ہے۔ اب ہم ایک آزاد اور خودمختار مملکت کے مالک ہیں۔ اب ہمیں آزاد لوگوں کی طرح عمل اور اپنے معاملات کا انتظام کرنا چاہیئے۔

(حوالہ کتاب ایضاً صفحات ۱۸۹، ۱۹۰)

پھر بتایا کہ یقیناً وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق نوجوان بھی تعمیرِ قوم میں حصّہ لے سکتے ہیں لیکن ہر طبقہ کا ایک طریق ہوتا ہے جو اس کو اپنانا چاہیئے فرمایا:۔

"اب میں آپ کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی باری پر کیا کچھ کر دکھاتے ہیں۔ اس طرح رہیئے کہ کوئی آپ کو گمراہ نہ کر سکے کوئی آپ کو غلط طور پر استعمال نہ کر سکے اپنی صفوں میں اتحاد اور استحکام پیدا کیجئے ایک مثال قائم کر دیجئے کہ نوجوان کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کا اصلی کام کیا ہونا چاہیئے۔ اپنی ذات سے وفا۔ اپنے والدین سے وفا۔ اپنی مملکت سے وفا اور اپنے مطالعہ پر کامل توجہ۔

(حوالہ کتاب ایضاً صفحہ ۱۹۰)

قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کی پالیسی تھی کہ نوجوانوں اور ناپختہ ذہن طلبہ کو محض جوش و خروش سے دور رکھا جائے اور سنجیدگی اور متانت سے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرائی جائے۔ چنانچہ اس امر کی نگرانی مسلم لیگ کے [illegible] راہنما بھی بڑی سختی سے کرتے تھے

قائد اعظم کی ہمیشہ یہ خواہش اور کوشش رہی کہ طلبہ کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قائد اعظم نے ایک بار بھی تمام ہندوستان میں مسلمان طلبہ کو ہڑتال کرنے کی اپیل نہ کی۔

کتنا سخت وقت تھا جب قیام پاکستان پر ہندوؤں کی چالوں کے تحت دونوں ملکوں سے یعنی بھارت اور پاکستان سے آبادیوں کا انخلاء شروع ہوا اور بھارت میں بستے مسلمانوں پر جن سنگھ اور دوسری ہندو فوجی تنظیموں کے منظم حملوں کے نتیجہ میں مسلمانوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے پاکستان میں جہاں کی فضا پرامن تھی ہندوؤں اور سکھوں نے بھی نقل مکانی شروع کی تو عوام نے قائد اعظم اور مسلم زعماء کی مرضی کے خلاف یہاں کہیں جوابی کارروائیاں ہوئیں۔ یہ انسانی تاریخ کا ایک نہایت بھیانک باب ہے۔ ایسے حالات میں تعلیم کو معمول کے مطابق جاری رکھنا ناممکن ہو گیا۔ لیکن جب قائد اعظم طلبہ کے سامنے تشریف لائے تو جہاں انسانی جانوں اور دوسرے قیمتی سرمایوں کے تلف ہونے کا ذکر کیا تو وہاں یہ بھی فرمایا۔

> پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران.... ہم نے بہت قربانیاں دیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی تعلیمی زندگی تباہ ہو گئی۔ لیکن میں کہوں گا آپ نے اپنی جگہ اپنا کردار شاندار طریقے سے سرانجام دیا ...... اب کہ آپ اپنا نصب العین حاصل کر چکے ہیں تو سیاسی ہدایت اور معاشی مسائل کے [illegible] آپ کا [illegible] کی ذمہ داریاں بھی بدل جانی چاہئیں۔ آپ کے فرائض ہونے چاہئیں نظم و ضبط کا گہرا احساس۔ عمدہ کردار۔ حقیقی اور عمل پر اکسانے والی تعلیم۔ آپ کو چاہیئے کہ خود کو پورے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کیلئے وقف کر دیں ...... آپ کو حکم ماننے کی عادت ڈالنی چاہیئے کیونکہ صرف اسی طریقے سے آپ حکم دینا سیکھ سکتے ہیں۔

(حوالہ کتاب ایضاً صفحات ۱۹۴ اور ۱۹۵)

یہ وہ لائحہ عمل ہے جو پاکستان کے بانی بابائے قوم قائد اعظم نے اپنے نوجوان طلبہ کو حصول پاکستان کے معاً بعد دیا۔ کیونکہ نوجوانوں میں ان خصوصیات کے پیدا ہوئے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور یہ خوبیاں صرف اور صرف تعلیم کے ساتھ ہی پیدا کی جا سکتی ہیں۔ ہم احمدی نوجوانوں کو تو یہ بات اور زیادہ آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیئے جبکہ حصولِ پاکستان سے بھی قبل...... خدام الاحمدیہ کو نصیحت کرتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں فرمایا:

> اخلاق کی نگرانی کے ساتھ تعلیم کی نگرانی ضروری ہے اور یہ اصل کام ہے جہاں جہاں خدام الاحمدیہ کی جماعتیں قائم ہیں وہاں ایک ایسا سیکرٹری مقرر کیا جائے جو دس سال سے بیس سال کے لڑکوں کی فہرست تیار کرے کہ کتنے لڑکے [illegible] میں ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو تعلیم

"فغانِ درویش"

اس حقیقت کا اعتراف تو ہر

بالغ نظر صاحبِ ذوق کو ہے کہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی محبتِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی ہر نظم بلکہ اس دردمند دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا ہر شعر فکرِ بلیغ و احساسِ دلِ گداز کا ایک انمول خزینہ ہے۔ آپ کے اشعار نہ صرف بھٹکی اور بھٹکی ہوئی رُوحوں کیلئے قندیلِ راہ کا کام دیتے ہیں مُردہ دلوں میں زندگی کی چنگاریاں بھی سُلگاتے ہیں اور انہیں رضائے ایزدی کے حصول کی تڑپ بھی عطا کرتے ہیں۔ مگر اس ہیچمدان نے تو آپ کے اشعارِ حقیقت آثار سے بعض اوقات بڑے عجیب و غریب انداز میں بھی استفادہ کیا ہے۔

مثال کے طور پر جب کبھی یاس و حرمان کی تاریکیاں گہری ہو جائیں۔ اُمید و تسکین کی کوئی کرن دُور دُور تک نظر نہ آئے تو میں اکثر (اُن کے سینے میں ہلچل مچا دینے والے) اس شعر کو ؎

ہاتھوں میں لیے کاسۂ دل آئے ہیں مولا
خالی نہ پھریں تیرے طلبگارِ محبت

کو دہرانا شروع کر دیتا ہوں۔ جس کے نتیجہ میں میرے دل ونگاہ چند ہی لمحوں میں ایک ایسی کیفیت سے دوچار ہو جاتے ہیں جس پر خشیت اور تضرّع کا رنگ غالب ہوتا ہے اس کے بعد میں اسے خفیف سے تصرف کے بعد یوں پڑھتا ہوں کہ ؎

ہاتھوں میں لیے کاسۂ دل آیا ہے مولا
خالی نہ پھرے تیرا طلبگارِ محبت

اپنے سر کے ساتھ ہی اپنے دل ونگاہ کو بھی آستانۂ الوہیت پر جُھکا دیتا ہوں اور قربان جاؤں اپنے (ٹوٹے ہوئے دلوں کو عزیز تر جاننے والے) عظیم و برتر خدا کے کہ میری اس رنگ میں فریاد کو بھی کہ اس گنہگار کو اس نے کبھی مایوس نہیں لوٹایا۔

ایک اور شعر

اسی طرح حضرت محترمہ کے ایک اور شعر کو دہرانا اور گنگنانا میرے معمولات کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے جب بھی کبھی اندرونی یا بیرونی سفر پر روانہ ہوں اور بالخیریت سفر اور کامیاب مراجعت کی دعا کے لیے اٹھیں تو حضرت محترمہ کا یہ دل گداز شعر جو شعری و معنوی محاسن کا مرقع اور حسین ترین تلازمات شعر کا سے مرقع ہے ایک پکار بن کر ہونٹوں پر جاری ہو جاتا ہے ؎

محبوب حقیقی کی "امانت" سے خبردار
اے حافظِ قرآن! خدا حافظ و ناصر

اور آپ کے شعری مجموعہ "درِ عدن" کے ساتھ میری یہ مطالعاتی و محسوساتی کیفیتیں تو جیسے مستقل سی ہو چکی ہیں ـــ ایک یہ احساس کہ عشقِ الٰہی کی تڑپ اور دینِ محمدیؐ سے وارفتگی و شیفتگی میں ڈوبا ہوا یہ پُرسوز کلام اس قدر جلد کیوں ختم ہو گیا۔ اور دوسری یہ کہ "درِ عدن" کی نظم "نغانِ درویش" کو پڑھ کر ہر دفعہ جذبات و محسوسات پہ ایک نئی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُسے پڑھتے وقت ہر بار "قادیان دارالامان" اور دیگر "شعائرِ احمدیت" نئی جاذبیتوں کے ملبوس پہن کر نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں اور پھر قلب و روح تصور ہی تصور ہی میں دیر تک اس خیابانِ روحانیت میں محوِ گلگشت رہتے ہیں۔

"فغانِ درویش"

حضرت مخترمہ نے یہ نظم ۴۷ء کے بعد قادیان میں مقیم ایک درویش کی پُرخلوص اور ایمان افروز قلبی کیفیات کو اپنے فکر و تخیل میں سمو کر کہی ہے ـــ اپنے محبوب آقا اور اُس کے گرد ہر وقت حلقہ کئے رہنے والے رُفقاءِ خاص کے فراق کی خلش، ـــ اُن کی دید اور زیارت سے قلب و روح کو سیراب کرنے کی تڑپ، مرضیٔ مولا کے تحت اُن کے قادیان سے چلے آنے سے اجڑ قادیان کے منظر کی اداسی، اُس کی گلیوں کا سونا پن، ـــ اُن حبیبانِ لبیبہ کی واپسی کا انتظار، ـــ دل کی بے قراری اور بے محابا اضطراب، ـــ القصہ اس نظم میں بھلا کیا نہیں ہے؟ دیکھئے تو حضرت مخترمہ کے رموز و اسرارِ روحانیت کے محرم جگر نے ان کیفیات کو کیسے کیسے اضطراب انگیز اشعار کے سانچے میں ڈھالا ہے ؎

جو دُور ہیں وہ پاس ہمارے کب آئیں گے؟
دل جن کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ پیارے کب آئیں گے؟
یا رب ہمارے شاہ کی بستی اُداس ہے
اُس تختگہ کے راج دُلارے کب آئیں گے؟
لب پر دُعا ہے، تیرے کرم پر نگاہ ہے
"عاشق" "ترے" "حبیب" ہمارے کب آئیں گے؟
جو سر کو خم کئے تیری تقدیر کے حضور
تیری رضا کو پا کے سدھارے۔ کب آئیں گے؟

دل اس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ جانیوالے صرف خدائے جلیل و قدیر ہی کے حکم سے لوٹ کے آسکتے ہیں۔ جب بارگاہِ قدس سے اُن کی مراجعت کا حکم صادر ہوگا تو اس حکم کو سنتے ہی فرشتے اُن کی راہوں کو اپنی پلکوں سے صاف کرنے کیلئے دیوانہ وار لپک پڑیں گے۔ اور ملائکہ کی ایک فوجِ ظفر موج اُن آنے والوں کے جلو میں ہوگی۔ یہ سب بجا! سب کچھ تسلیم! لیکن دلِ بیقرار کو چین بھی ہو وہ تو بار بار پکار اٹھتا ہے۔

مگر کب؟

ـــ فراق کا یہ طلسم آخر کب ٹوٹے گا؟

۔ جدائی کی یہ گھڑیاں کب ختم ہوں گی؟

۔ بارگاہِ قدس سے فرشتوں کو ان کی بلائیں معاف کرنے کا حکم کب صادر ہوگا اے میرے جلیل و قدیر خدا آخر ؎

کب راہ اُن کی تیرے فرشتے کریں گے صاف
کب ہوں گے واپسی کے اشارے۔ کب آئیں گے؟

اور اس دل گداز نظم کا یہ بیتاب کر دینے والا شعر جو ہونٹوں پر آتے ہی آنکھوں کے سامنے ایک ایسا مہکتا چمکتا اور دمکتا ہوا منظر پھیلا دیتا ہے جس میں اُس مسیحا نفس کی مجالسِ علم و عرفان کی باس اور اُس کے حسین بیانات کا نور رچا ہوا ہے۔

•۔ جس پر خدائے عظیم و برتر نے علومِ قرآنی کے انوار کی بارشیں کیں۔

•۔ جس کی للکار نے ساری اسلام دشمن دنیا کا دل دہلا دیا۔

•۔ جس کے بھیجے ہوئے مبشرین نے دنیا بھر کے تثلیث کدوں۔ مرغزاروں۔ صحراؤں اور تپتے ہوئے ریگزاروں پر پرچم اسلام لہرا دیا۔

•۔ جو چلتا تھا تو کامگاریاں بڑھ بڑھ کر اس کے قدم لیتی تھیں۔

•۔ جسے خدائے قدوس نے رضا کے عطر سے ممسوح کیا۔

•۔ جو بولتا تھا تو اُس کے ہر فقرہ سے روحانیت کے موتی جھڑتے تھے۔

•۔ جو کلامِ الٰہی کی تلاوت کرتا تھا تو کائنات ہمہ تن گوش ہو جاتی تھی۔

•۔ جس کی زندگی کا ہر سانس تبلیغ و اشاعتِ دینِ محمدی کے لئے وقف تھا۔

اور پھر اس کے وہ رفقاء نیک طینت جن کی طاعت گزاریوں کی خوشبو آج بھی فضاؤں میں بسی ہوئی ہے جن کے کان ہر وقت اس کے ہونٹوں کی جنبش پر لگے رہتے تھے۔ جو اُس کی آواز پر زندگیوں کے نذرانے لے کر پروانہ وار حاضر ہو جاتے تھے۔ وہ۔ اور اُس کے وہ ساتھی۔ کب آئیں گے؟ اور اے ہمارے جلیل و قدیر خدا ؎

دیکھیں گے کب وہ محفلِ ثم البدر فی النجوم
وہ چاند کب ملے گا وہ تارے کب آئیں گے۔

(ثاقب زیروی)

مطالعہ کتب

ماہِ اگست میں خدام کے مطالعہ کے لئے کتاب "جماعت سے خطاب" مقرر ہے۔ خدام سے گزارش ہے کہ اس کا مطالعہ کریں۔

(مہتمم تعلیم)

"وہ بادشاہ آیا"

(عبدالسمیع خان — ربوہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب بشیر اولاد میں سے ایک درخشندہ گوہر تھے۔ آپ خدائی بشارت کے مطابق ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے آپ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے عمر میں ۶ سال اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سے ۲ سال چھوٹے تھے۔ آپ نے ۷ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیا تھا۔ اور اپنے باپ اور ماں سے بہت دعائیں لیں۔ ان ہر دو بزرگ ہستیوں نے آپ کی پارسائی، خوشحالی، خردمندی، تقوی اور خادم دین ہونے کیلئے خدا کے حضور التجائیں کیں — جن کی مقبولیت کی شہادت آپ کی زندگی کے لمحہ لمحہ سے ملتی ہے۔

دینی علوم آپ نے ..... سے حاصل کئے۔ بالخصوص بخاری شریف جیسے آپ نے ..... سے درساً پڑھا اور کچھ عرصہ آپ نماز فجر کے بعد مسجد مبارک ربوہ میں بخاری شریف کا درس بھی دیتے رہے۔ آپ نے سالہا سال تک سلسلہ کی نمائندگی کرتے ہوئے احمدیہ ٹریٹوریل فورس کو کمانڈ بھی کیا اور اس میں مثالی نظم و ضبط قائم کیا۔ آپ نے ناظر تعلیم۔ ناظر اصلاح و ارشاد اور ناظر خاص کی حیثیت سے اہم دینی خدمات بجالانے کی توفیق بھی پائی۔ قیام پاکستان کے بعد بحیثیت ناظر اصلاح و ارشاد کئی سال تک جلسہ سالانہ کے انعقاد کا بہت عمدگی اور خوش اسلوبی سے انتظام فرمایا۔ اور ذکر حبیب کے موضوع پر متعدد تقاریر بھی فرمائیں۔

آپ نے ۶۷ سال عمر پائی اور ۲۶، دسمبر ۱۹۶۱ء کو بوقت آٹھ بجے صبح جبکہ جماعت احمدیہ کے سترھویں سالانہ جلسہ کا افتتاحی اجلاس شروع ہونے میں صرف سوا گھنٹہ باقی تھا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے ماتحت اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آپ بے انتہا خوبیوں کے مالک تھے۔ اور بے شمار صفات سے متصف تھے۔ آپ کی ذات اور گوناگوں صفات کے بارہ میں جو رؤیا ہوئے ان میں سے ایک عظیم الشان رؤیا اس مضمون کی بنیاد ہے جو تذکرہ کے صفحہ ۶۹۱ پر یوں درج ہے۔

"شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور

دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے
شریف احمد کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ،
"وہ بادشاہ آیا"
دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے
قاضی بننا ہے۔"
(بدر ۱۰ر جنوری ۱۹۰۷ء)

اس الہام میں بادشاہت سے مراد دنیا کی
بادشاہت اور حکومت نہ تھی بلکہ دل کی بادشاہت
تھی جیسا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
الغنیٰ غنی النفس ۔
کہ تونگری تو دل کی تونگری ہے۔ دل اگر غنی
نہیں تو ظاہری غنیٰ انسان کے کردار کو بلند کرنے
کی بجائے پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ حضرت مرزا
شریف احمد صاحبؓ پر یہ حدیث بڑی شان کے
ساتھ چسپاں ہوتی تھی جس کی تائید حضرت
صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے کے اس
بیان سے بھی ہوتی ہے۔

"میاں شریف احمد صاحب کی زندگی میں
عُسر و یُسر کے متعدد دَور آئے اور
ہر دَور میں انہوں نے اپنا شاہانہ مزاج
قائم رکھا وہ دل کے درویش تھے۔ مگر
مزاج کے بادشاہ تھے۔ یُسر کی حالت
کا تو کیا کہنا ہے عُسر میں بھی وہ اپنے
شاہانہ مزاج کو قائم رکھتے تھے۔ اور
اپنے ہاتھ کو تنگی کے ایام میں بھی نہیں روکتے
تھے اور غرباء کی مدد میں بڑی فیاضی
سے حصہ لیتے تھے۔ بعض دفعہ تو ایسا
ہوا کہ انہوں نے رستہ چلتے ہوئے کسی
غریب کو پاس سے گزرتے دیکھا تو
جھٹ جیب سے سو روپے کا نوٹ
نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ لینے والا
حیرانی میں مبتلا ہو کر اپنی آنکھیں ملتا رہا۔
اور یہ درویش بادشاہ خاموشی سے آگے
نکل گیا۔ اپنے خرچ پر کنٹرول نہ کرنے کی
وجہ سے وہ بسا اوقات قرض میں بھی مبتلا
ہو جاتے تھے مگر ان کی شاہ خرچی کے
انداز میں کبھی فرق نہ آیا۔ ساری عمر اسی
شاہانہ ڈگر پر قائم رہے۔ غالباً ان کی
وفات کے موقعہ پر خدائی فرشتوں نے
آسمان پر ان کی آئندہ زندگی
کا نظارہ دیکھ کر ہی......
کے کانوں میں یہ خدائی الفاظ پہنچائے
ہوں گے کہ
"وہ بادشاہ آیا"
(سیرت حضرت مرزا شریف احمد صاحب ص۱۳)

آپ کی زندگی کے سینکڑوں واقعات اس
بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ حقیقتاً دل کے
بادشاہ تھے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مرزا منصور احمد
صاحب فرماتے ہیں :-
تقسیم ملک کے بعد ہم شروع شروع میں ماڈل ٹاؤن

میں رہتے تھے۔ ماڈل ٹاؤن میں ایک پان فروش تھا جس کا چھوٹا سا کھوکھا بڑی سڑک کے کنارے ہوتا تھا۔ میں بھی کبھی اس سے پان لیتا تھا۔ ایک دن مجھے کہنے لگا وہ بزرگ جن کا کارخانہ ہے وہ آپ کے کیا لگتے ہیں۔ میں نے کہا کیوں کیا بات ہے کہنے لگا ایک دن وہ دوکان پر تشریف لائے پوچھا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کساد بازاری ہے تو جیب سے سو روپے کا نوٹ میرے ہاتھ میں تھما کر چل دیئے ۔"

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ بیان فرماتے ہیں ایک دوائی بہت نایاب تھی اور خود ان کے لئے بھی وہ کافی نہ تھی۔ ایک حاجتمند آیا اور اس نے سوال کیا تو آپ نے قریباً نصف شیشی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

مکرم نیک محمد خان صاحب کا بیان ہے کہ جب آپ ملٹری میں تھے تو بریگیڈ کے ساتھ منسلک تھے۔ برہمی لوگ بڑے فضول خرچ تھے۔ اپنی تنخواہ خرچ کر لیتے تو پھر حضرت میاں صاحب کے پاس تانتا لگا رہتا۔ آپ مجھے حکم دیتے اسے بیس روپے دے دو۔ اس کو چالیس روپے دے دو۔ اور بعض دفعہ بعض آدمیوں کو آپ نے اسی روپے تک بھی دلائے۔ ایک دن میں نے عرض کیا حضرت میاں صاحب میرے پاس کوئی پیسہ نہیں۔ مجھ سے یہ سنا تو ڈیرہ دون میں مجھے غلام نبی صاحب کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ یہ جتنے روپے مانگیں میرے حساب میں انہیں دے دیا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد جب آپ کسی شخص کو بھجواتے میرے پاس پیسے نہ بھی ہوتے تو میں کہتا فلاں وقت آ کر لے جانا اور پھر میں اس کو وہاں سے لا کر دے دیتا۔ آپ نے ڈاکخانہ والوں کو کہہ دیا تھا کہ میرے تمام منی آرڈر وغیرہ نیک محمد کو دے دیا کرو۔

قادیان میں ایک مددگار کارکن کا مکان آندھی کی وجہ سے گر گیا۔ حضرت میاں صاحب کو پتہ لگا تو اس سے بڑی ہمدردی فرمائی اور اگلے دن اسے خود ہدایات دیں۔ مکان یوں بنانا اور یہ سامان لگانا۔ اس نے عرض کی میں تو دو سال تنخواہ جمع کروں تو پھر بھی اس طرح نہیں بنا سکتا اس پر آپ نے اپنی جیب سے تمام مطلوبہ روپیہ اسے عنایت فرما دیا۔

حضرت میاں صاحب کے کارخانے میں کام کرنے والا مستری ایک دن غیر حاضر رہا۔ اگلے دن میاں صاحب کے دریافت کرنے پر اس نے عرض کی کہ بیوی بیمار تھی۔ آپ نے فرمایا پھر؟ اس نے عرض کی ڈاکٹروں نے کہا ہے امرتسر لے جاؤ۔ آپ نے خزانچی کو بلایا اور فرمایا اسے یکصد روپیہ دے دو۔

حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔

میں پرسیپن مینوفیکچرنگ میں کام کرتا تھا۔ ایک دن میرا ڈرائیور فضل دین ایک دفعہ خزانچی

کے پاس لایا۔ اور خزانچی ضابطہ کے مطابق میرے دستخط کروانے کے لئے رقعہ میرے پاس لایا۔ اس میں حضرت میاں صاحب نے لکھا ہوا تھا کہ اس شخص کو یک صد روپیہ دے دیا جائے۔ میں نے فضل دین سے کہا کہ کیا تو نے میاں صاحب سے کچھ مانگا تھا۔ کہنے لگا جی نہیں میں بازار میں جا رہا تھا۔ اور آپ موٹر میں تشریف لے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا دفتر میں میرے ساتھ آؤ۔ میں گیا تو یہ لفافہ مجھے دیا اور فرمایا کل چھٹی ہے۔ پرسوں دفتر لے جانا۔

مکرم احتجاج علی صاحب زبیری لکھتے ہیں۔

۱۹۲۸ء کے اختتام پر میں باٹا شوشاپ انبالہ کینٹ کا مینیجر تھا۔ ایک روز میں ہفتہ وار سٹیٹمنٹ (STATEMENT) بنا رہا تھا کہ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسے بنتا ہے میں نے ساری تفصیلات عرض کیں۔ میاں صاحب خاموشی سے سنتے رہے اور چلتے وقت فرمایا کہ کل صبح میرے کیمپ میں آنا۔ میاں صاحب اس وقت احمدیہ ٹیریٹوریل رجمنٹ میں کیپٹن تھے۔ اگلے دن جب میں آپ کے کیمپ میں پہنچا تو آپ نے تمام سپاہیوں کو فالن کرا دیا اور مجھے حکم دیا کہ سب کے پیروں کا ناپ لو۔ مجھے دو سو جوتوں کا اسی وقت آرڈر دے دیا۔ وہ سپاہی فرداً فرداً میری دکان پر آیا کرتے اور میرا کام چند ماہ میں اتنا بڑھ گیا کہ کمپنی نے مجھے مبارکباد کا تار دیا اور میرا فوٹو باٹا گزٹ میں شائع کروایا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب قادیان میں ڈاکٹر احسان علی صاحب کی دکان پر اکثر آتے۔ اور مقصد یہ ہوتا کہ ایسے دوستوں کی مدد کی جائے جو بوجہ تنگی مکمل علاج نہیں کرا سکتے تھے چنانچہ بیسیوں مریض تھے جن کا حضرت میاں صاحب نے اپنی جیب خاص سے مکمل علاج کرایا۔ نیز مریضوں کے آرام کیلئے ان کی دکان میں چھت کا پنکھا بھی لگوا کر دیا۔

حضرت میاں صاحب پیدل چلنے کے عادی تھے۔ جب کبھی سڑک پر کوئی ضرورتمند مسافر دکھائی دیتا تو اس کو اس کی منزل تک پہنچنے کا کرایہ عنایت فرماتے۔ اگر کوئی مسافر شام کو مل جاتا تو اسے خود مہمان خانہ میں اپنے ساتھ لا کر اس کی رہائش کا انتظام فرما دیتے۔ اور اگر کوئی آدمی میلے کپڑوں والا مل جاتا تو اسے صابن خریدنے کے لئے کچھ نہ کچھ رقم دے دیتے۔ اگر کوئی مزارع گندم لینے کیلئے ان کی کوٹھی پر آتا تو اسے کم از کم ایک من گندم خریدنے کی قیمت عطا فرما دیتے تھے۔

الغرض آپ کا فیض عام ہر دم اور ہر ضرورتمند فرد کے لئے جاری تھا اور یہ دریائے سخاوت اس وقت تک تلاطم خیز موجوں کے ساتھ بہتا رہا جب تک موت نے جسم و روح کا رشتہ نہیں توڑ دیا۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے چند الفاظ میں آپ کی سیرت کے اس روشن پہلو کا نقشہ کیا ہی دلنشیں انداز میں

کھینچا ہے ۔

"نام شریف، دل شریف، تعلقات عزیز داری شریفانہ، قلب صافی ہمدرد، پھر ہر ایک کے غمگسار غریبوں کی امداد اپنی طاقت سے بڑھ کر کرنے والے۔ جس کو ضرورت دیکھ کر بھی ضرورت مند محسوس کیا جیب جھاڑ دی۔ خود مقروض بلکہ اکثر حاجتمندوں غریبوں کے قرضے اتارے۔ کام چلوا دیئے۔ غرض بادشاہ دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ مگر اپنی زندگی سادگی میں گزار دی ؛"

(سیرت مرزا شریف احمد صاحب مثلے)

اپنی مبشر اولاد کے لئے جو پرسوز دعائیں کیں ان میں انہیں دولت عطا کرنے کی دعا بھی تھی۔ فرمایا تعالیٰ دے اس کو عمر و دولت۔ کر دُور ہر اندھیرا

چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو دولت کی نعمت عطا کی گئی جس کے ذریعہ آپ غریبوں اور نادارں کے دکھوں کے اندھیروں کو دُور کر کے ان کے گھروں میں شادمانی کے چراغ جلاتے رہے ان کے دلوں میں آپ ستاروں کی طرح جگمگاتے رہیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی وفات پر ایک شاعر درد بھرے دل کے ساتھ کہہ اٹھا ؎

حد نظر سے دُور اک تارا چلا گیا
لو آج ایک اور سہارا چلا گیا

اک مملکت کی جس سے مقدر تھی ابتدا
"وہ بادشاہ آیا" اور آ کے چلا گیا

غزل

جناب عبدالکریم قدسی ۔ لاہور

ذرا سی بات ہو اور آنکھ رات بھر نہ لگے
اے کربِ ذات! کسی کی تجھے نظر نہ لگے

کمی ضرور ہے نرگس کے اشک بننے میں
جو پیدا ہوتا گلستاں میں دیدہ ور نہ لگے

یوں دل پہ نقش ہے احساس اجنبیت کا
کہ اپنا گھر بھی مجھے اب تو اپنا گھر نہ لگے

مرا کچھ اتنا تو قائم رہے بھرم یارب
بھکاریوں کو میری بھوک کی خبر نہ لگے

عجیب شخص ہے قدسی جسے مسافت میں
تھکن تھکن نہ لگے اور سفر سفر نہ لگے

از شیخ عبدالقادر لاہور ـــــ حاصل مطالعہ

حضرت بابا نانک ؒ فقیر مرید سعید

بغداد میں

حضرت بابا نانک ؒ ایک سچے مسلمان تھے۔ اس دعوے کی تائید میں بے شمار شواہد منصۂ شہود پر آ رہے ہیں۔ ان ہی شواہد ناطقہ میں سے ایک کتبۂ بغداد ہے۔ جس کا ذکر "گورو نانک" کتاب میں ایک سردار صاحب نے کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۹ء میں بزبان انگریزی ایشیا پبلشنگ ہاؤس سوسائٹی بمبئی، کلکتہ، لندن نے شائع کی۔ اس کتاب کے مصنف سردار ہربنس سنگھ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے پروفیسر ہیں۔ صاحب موصوف نے حضرت بابا نانک کے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بغداد میں جانے کا ذکر بالتفصیل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں بغداد کے ایک کتبے کا بھی وہ ذکر کرتے ہیں۔ جس میں بابا نانک کے بغداد میں تشریف لانے کا بیان ہے لکھتے ہیں:-

مکہ معظمہ سے گورو نانک اور مردانہ شمال کی جانب عازم سفر ہوئے۔ وہ مدینہ منورہ یعنی دیارِ پیغمبر میں پہنچے۔ وہاں سے انہوں نے مزید شمال مشرق میں اپنا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ وہ صحرائے عرب سے گزر کر "دجلہ کے کنارے" بغداد میں آئے۔ گورو نانک شہر کے باہر ایک مقبرہ کے پاس فروکش ہو گئے۔ اور خدائے ذوالجلال کی حمد کے ترانے گانے لگے اور مردانہ ستار بجاتے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ موسیقی مسلمانوں کے مذہبی حلقے میں ممنوع تھی۔ نتیجۃً اس بدیشی فقیر کے خلاف شکایات جمع ہوتی گئیں۔ ایک دن شہر کے لوگ انہیں سزا دینے کے لئے گھر سے نکلے۔ اس ہجوم میں لڑکے، بوڑھے، آدمی اور جوان سبھی تھے۔ گورو نانک نے مسلمانوں کے طریق پر اذان دے کر ان کا خیر مقدم کیا۔ یہ دیکھ کر سارا ہجوم ساکت وصامت ہو گیا اور ان کے ہتھیار دھرے کے دھرے رہ گئے۔

(صفحہ ۱۶۸ و ۱۶۹)

(۲)

بغداد میں آمد سے متعلق ایک کتبہ کی شہادت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پہلی جنگِ عظیم میں بغداد میں کچھ سکھ فوجیوں نے ایک کتبہ دیکھا جس میں بابا نانک کا ذکر تھا۔ "سب میجر فتح سنگھ" نے ایک مطبوعہ مکتوب کے ذریعہ اس خبر کو شائع کر دیا۔ یہ خطِ عام ۹ رمئی ۱۹۱۸ء کو لکھا گیا۔ اس میں اس کتبہ کی خوشخبر ساری سکھ جنتا کو دی گئی تھی۔ اس کے بعد اس کتبہ کی نقول حاصل کی گئیں۔ یہ منبت کتبہ موجودہ بغداد کے جنوب مغرب میں بہلول دانا کے مقبرہ میں ایک حجرہ کی دیوار پر لگا ہے۔ رسم الخط عربی ہے۔ (جسے نستعلیق کہتے ہیں) اور عثمانی دور کی ترکی زبان میں لکھا گیا۔ اس کے کئی ترجمے شائع ہوئے۔ لیکن وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہ کتبہ ایک قطعہ تاریخ پر مشتمل ہے جس میں مادۂ تاریخ نکالا گیا۔

(۳)

مذکورہ کتاب کے آخر میں اس کتبہ کے عکس پر مشتمل ... دیا گیا ... لکھا ہے ...
... یا ... عکس شائع ...

کر رہا ہوں۔ چونکہ میں نے اگست ۱۹۶۹ء میں بغداد میں حاصل کیا۔ کتبہ عثمانیہ دور کی ترکی زبان میں ہے۔ میری درخواست پر ڈاکٹر تکین (Shinasi Tekin) لیکچرار لسان ترکیہ ہارورڈ یونیورسٹی کیمبرج امریکہ نے اسے پڑھا اور اس کا ترجمہ کیا ہے۔"

کتبہ کے حروف حسب ذیل ہیں:-

گورنی مراد ایلدی حضرتِ
ربِ مجید بابا نانک فقیر
اولہ تاکہ عمارت جدید
ییدیلر امداد ادوب
گلدی کہ تاریخینہ
یاپدی ثواب اجرا ایدہ
انی مرید سعید۔

انگریزی تلفظ میں پروفیسر موصوف نے اسے یوں صورت ادا کیا ہے

GOR NE MURAD EYLEDI
HAZRETI RABB-I-MEJID
BABA NANAK FAQIR OLA
TAKI IMARET JEDID YIDILER
IMDAD IDUP GELDI KI
TARIHINE YAPADI SEVAB
EJR IDE ANI MURID-I-
SAID.

انگریزی میں اس کا ترجمہ حسب ذیل کیا گیا ہے۔

LOOK WHAT WAS WISHED BY THE GLORIOUS LORD IN HIS MAJESTY- THAT A NEW ESTAB- -LISHMENT BE BUILT FOR THE SAINT BABA NANAK THE SEVEN GAVE HELP AND THERE CAME THIS CHRONOGRAM THE BLEST DISCIPLE PERFORMED A MERITORIONS WORK MAY HE THEN RECOMPENSE.

اور اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

دیکھو! حضرت رب مجید نے کیا چاہا کہ ایک عمارت جدید فقیر بابا نانک کے لئے بنائی جائے۔ سات (احباب) نے امداد دی اور پھر یہ تاریخ نکلی۔ مرید سعید نے نہایت شاندار کام سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے۔

۹۱۷ھ

گویا یہ کتبہ ۹۱۷ھ مطابق ۱۵۱۱ء میں لکھا گیا۔ بغداد میں گورو نانک کی آمد کا یہی زمانہ ہے۔ ۱۵۳۹ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ وفات سے ۲۸ سال قبل کا یہ واقعہ ہے۔

—— سردار ہربنس سنگھ نے یہ نہیں بتایا کہ مادۂ تاریخ کیسے نکالا گیا۔ پروفیسر تکین کی تحقیق اس باب میں تشنہ اور نامکمل ہے۔ اس لئے کہ یہ سعادت یقیناً اسی جماعت کے حصہ میں آنی تھی اور آئی ہے جس نے ثابت کر دیا کہ حضرت بابا نانک مسلمان ہو گئے تھے۔

مادہ تاریخ سے متعلق ۹۱۷ اعداد۔ کن حروف کے ہیں؟ یہ ایک معمہ ہے جس کا حل پیش نہیں کیا گیا۔ تاہم ادنیٰ تدبر سے ہم اسے حل کر کے تاریخ نکال سکتے ہیں۔

کتبہ کے آخر میں "مرید سعید" ہے۔ دوسرے مصرع میں "بابا نانک فقیر" کے الفاظ ہیں۔ "بابا نانک فقیر مرید سعید" کے عدد پورے ۹۱۷ ہیں۔ قواعد کی رو سے با اور نا پر کھڑے الف اعداد میں شامل ہیں۔ اب ملاحظہ کیجئے۔

بابا ۷
نانک ۱۲۲
فقیر ۳۹۰
مرید ۲۵۴
سعید ۱۴۴
۹۱۷

ظاہر ہے حضرت بابا نانک کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر بیعت تھے۔

یہ وہی بات ہے جو آج سے اسّی سال قبل ایک مرد حق آگاہ نے سکھ جنتا کے سامنے

اپنی کتاب "ست بچن" میں پیش کی۔ حصّہ نظم ملاحظہ ہو۔ ؎

جو پوچھا کسی نے چلے ہو کدھر
غرض کیا ہے جس سے کیا یہ سفر
کہا۔ رہ کے حق کا طلبگار ہوں
نثارِ رہِ پاک کرتار ہوں
سفر میں وہ رو رو کے کرتا دعا
کہ اے میرے کرتار مشکل کشا
میں عاجز ہوں کچھ بھی نہیں خاک ہوں
مگر بندۂ درگہِ پاک ہوں
میں قربان ہوں دل سے تری راہ کا
نشان دے مجھے مرد آگاہ کا
بتایا گیا اس کو الہام میں
کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں
مگر مردِ عارف فلاں مرد ہے
وہ اسلام کی راہ میں فرد ہے
ملا تب خدا سے اسے ایک پیر
کہ چشتی طریقہ میں تھا دستگیر
وہ بیعت سے اس کے ہوا فیضیاب
سنا شیخ سے ذکرِ راہِ صواب

بقیہ صفحہ ۸ سے آگے

حاصل کر رہے ہیں اور کتنے لڑکے تعلیم حاصل نہیں کر رہے۔ انکے والدین کو توجہ دلائے کہ وہ بچوں کو تعلیم دلائیں ...... خدام الاحمدیہ جہاں تک ممکن ہو تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ (مشعل راہ ص ۵۰۶)

انشاء اللہ [illegible] جماعت احمدیہ کے نوجوان

طلبہ نے اپنے امام کی اس نصیحت پر ہمیشہ عمل کیا اور آج بھی پاکستان میں جماعت احمدیہ بابائے قوم قائد اعظم کی اس نصیحت کو حرز جان بنائے ہوئے ہے اور اس وقت تک بنائے رکھے گی انشاء اللہ جب تک قائد اعظم کی یہ خواہش پوری نہیں ہو جاتی۔

"آپ کا بھلا آپ کے والدین کی بھلائی بلکہ ساری مملکت کا بھلا اسی میں ہے کہ آپ کی توجہ صرف تحصیل علم کیلئے وقف رہے۔ صرف اسی طرح آپ خود کو زندگی کی جنگ کیلئے مسلح کر سکتے ہیں..... صرف اسی صورت سے آپ اسے (پاکستان کو) دنیا کی ایک عظیم ترین طاقتور اور ترقی یافتہ قوم بنا کر منزل مقصود تک پہنچا سکتے ہیں۔"

(حوالہ کتاب ایضاً صفحات ۱۹۰، ۱۹۱)

انشاء اللہ پاکستانی احمدی نوجوان طلبہ اپنے وطن عزیز کے بانی بابائے قوم کی اس تمنا کو ضرور پورا کرنے میں نمایاں کردار کے حامل رہیں گے کیونکہ ان کو یہی پروگرام دیا گیا ہے کہ کوئی احمدی میٹرک سے کم تعلیم یافتہ نہ ہو تاکہ ہر ایک نوجوان کی تعلیمی صلاحیتیں باہر آنے سے پہلے ہی مرتب ہو جائیں اور ساتھ ہی ہر احمدی طالب علم کو قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر سے کما حقہٗ آگاہی حاصل کرنی چاہیئے تاکہ میدان عمل میں داخل ہونے سے قبل ان کی روحانی اور مذہبی تربیت کی بنیاد پختہ ہو جائے اور پھر ہر احمدی نوجوان کو اس حد تک تعلیم حاصل کرنے کے پورے مواقع مہیا ہونے چاہئیں جہاں تک قدرت نے اس کو ذہنی اور علمی استعداد یں ودیعت فرمائی ہیں۔ نادار اور کمزور [illegible] جماعت احمدیہ اپنی مقدور بھر امداد دینے کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ پوری طرح نبھا رہی ہے۔

[illegible] پاکستان کی قوم کو ایسے دردمند، مصلح اور رہنما حاصل ہیں جو طلبہ میں تعلیم کے مقصد کو ہمیشہ اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ [illegible]

اسپین اسلام کی آغوش میں

جناب بشیر احمد خان رفیق

ہسپانیہ! تو خونِ مسلمان کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
(اقبال)

اسپین دنیا کا وہ واحد ملک ہے جس نے قریباً سات سو سال تک اسلام کی عظمت اور شوکت کے نشان دیکھے۔ اور اس سنہری دور میں اسلام کی تعلیمات اور قرآن کریم کے علوم و خزائن سے نہ صرف مسلمانانِ ہسپانیہ خود مستفید ہوئے بلکہ ایک عالم کو ان علوم سے مالا مال کیا۔ مسلمان اندلس میں ایسے وقت میں داخل ہوئے، جب تمام یورپ جہالت۔ پس ماندگی اور ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہا تھا۔ اس وقت کے انگلستان کی حالت کا نقشہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ اندلس کے ایک مسلمان بادشاہ نے اپنے ایک جرنیل کو ہسپانیہ سے اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ یورپ کے چند ممالک اور خصوصاً انگلستان کی فوجی قوت کا جائزہ لے کر بادشاہ کو رپورٹ پیش کرے۔ یہ جرنیل انگلستان پہنچے اور کافی عرصہ تک ملک کی سیاحت کی۔ واپسی پر اس جرنیل نے بادشاہِ اسپین کو یہ رپورٹ پیش کی۔ "میرے نزدیک انگلستان کی فتح تو چند دنوں میں مکمل ہو جائے گی۔ لیکن ایک ایسے ملک کو فتح کرنے کا کیا فائدہ جہاں کے لوگ درندوں جیسی زندگی بسر کرتے ہیں اور جہاں دلدل۔ کیچڑ۔ غلاظت اور اقتصادی پس ماندگی کا دور دورہ ہے۔" الغرض مسلمان جرنیل نے انگلستان کے اس وقت کی حالت کا نقشہ ایسے انداز میں کھینچا کہ بادشاہ نے اس طرف کا رخ کرنے کا قصد ترک کر دیا۔ تمام یورپ میں تعلیم کا فقدان تھا۔ چرچ اور پادری عوام کا خون چوس رہے تھے۔ غریب کی زندگی

تلخ تھی۔ قتل و غارت گری عام تھی اخلاقی بے راہروی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ کسی کی عزت محفوظ نہ تھی۔

یورپ کے اس تاریک دور کے متعلق مشہور مؤرخ Stanley Lane Poole اپنی تصنیف Moors in Spain میں یوں رقم طراز ہیں:-

"قرطبہ کی شان و شوکت سے متعلق جو بیان ہم عرب مصنفین کی کتابوں سے اخذ کر کے یہاں درج کر رہے ہیں اس کا تعلق دسویں صدی عیسوی سے ہے۔ یعنی اس دور اور اس زمانہ سے کہ جب ہمارے سیکسن آباؤ اجداد لکڑی کے بے ہنگم اور ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہتے تھے اور ان میں غلیظ گھاس پھونس کے فرشوں پر چلا کرتے۔ ہماری زبان اس وقت ادھوری اور نامکمل تھی۔ اور لکھنے پڑھنے کا فن محدود سے چند راہبوں تک ہی تھا۔ اگر ہم اس عہد میں اپنی حیثیت سے متعلق اس حقیقت کو ذہن میں مستحضر کر لیں۔ تب ہی عربوں کی غیر معمولی تہذیب کا کسی حد تک ادراک ہمارے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔ پھر ہمارے لئے یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اس وقت تمام یورپ جہالت کی بھیانک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور وحشیانہ اطوار اس نے اپنا رکھے تھے۔ اور یہ کہ سلطنت روما کے ان بچے کھچے حصوں میں جنہوں نے اپنی قدیم تہذیب کے کچھ نہ کچھ آثار کو برقرار رکھا ہوا تھا۔ تہذیب و شائستگی کی صرف چند جھلکیاں ہی دیکھنے میں آتی تھیں میری مراد قسطنطنیہ اور اٹلی کے بعض علاقوں سے ہے کہ ان میں روحی تہذیب کے کچھ آثار ابھی باقی تھے۔ اگر ہم اس زمانہ کی اس تمام صورت حال کو ذہن میں رکھیں صرف اور صرف تبھی یورپ کے اس تاریک دور کے بالمقابل اندلس کے دارالحکومت کی شان و شوکت اور عظمت کا صحیح احساس ہمیں ہو سکتا ہے اور ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر سکیں۔"

چونکہ تعلیم و تدریس صرف کلیسا اور پادریوں تک محدود تھی۔ اس لئے پادریوں اور راہبوں کا طبقہ امیر ترین تھا۔ یورپ میں اس وقت کی تمام زرعی جائیداد کا وافر حصہ چرچ نے اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ عوام کی حالت غربت اور مالی کساد بازاری کی وجہ سے ناگفتہ بہ تھی۔

اسپین میں گاتھ خاندان حکمران تھا۔ ان

کا مذہب عیسائی تھا۔ مذہبی تنگ نظری کی وجہ سے اسپین کے یہودیوں پر بے حساب مظالم توڑے جاتے تھے۔ ان کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کی جاتی تھیں۔ ان سے غلاموں کی طرح بیگار لیا جاتا تھا اور ان کے ساتھ چوپائیوں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ پادری طبقہ اور ان کا اثر اتنی طاقت پکڑ چکے تھے کہ خود بادشاہ کو بھی ان کے مقابلہ میں زک اٹھانی پڑتی تھی۔ یہ پادری انتہا درجہ کے عیاش تھے۔ ان کی محفلوں میں عیش و عشرت کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ ملک کی اکثر زرعی زمینوں پر پادریوں کا قبضہ تھا۔ ایک ایک پادری کے پاس درجنوں غلام اور کنیزیں ہوتی تھیں۔ گاتھ سلطنت کا دارالخلافہ طلیطلہ تھا۔ یہاں اسقف اعظم یعنی سب سے بڑا پادری رہتا تھا۔ اسقف اعظم درحقیقت ملک کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔

مسلمانوں کے حملہ سے کچھ عرصہ قبل گاتھ سلطنت اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ تمام بحیرہ روم پر ان کی حکومت تھی۔ اور اکثر جزائر بھی ان کے زیر نگین تھے۔ گاتھ سلطنت کا آخری بادشاہ وٹیزا طلیطلہ میں برسر اقتدار تھا۔ اس کو عیسائی پادریوں کی حکومت کے کاموں میں بے جا مداخلت اور ان کا اقتدار کھٹکنے لگا۔ چنانچہ اس نے ایک منصوبہ کے ماتحت پادریوں کے اقتدار کو توڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ پادری بھلا اس کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا۔ اور بادشاہ پر یہ الزام لگا کر کہ وہ یہودیوں کا حامی اور خیر خواہ ہے۔ ایک طوفان اس کے خلاف کھڑا کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں جلد ہی بادشاہ عوام کی نظروں میں بھی اپنی وقعت کھو بیٹھا۔ پادریوں نے بادشاہ کو معزول کر کے ایک فوجی سردار لرزیق کو جو شاہی خاندان سے نہ تھا تخت پر بٹھا دیا۔ اور اس طرح گاتھوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر لرزیق کی حکومت آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔

لرزیق ایک آزمودہ کار جرنیل تھا۔ پادریوں کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے جلد ہی ملک کا حاکم تسلیم کر لیا گیا۔

لرزیق بہت عیاش شخص تھا۔ اور اس کی [illegible] اسپین میں مسلمانوں کے

"یاد رکھو کہ فتوحات کے زمانہ میں ہی تمام فسادات کا بیج بویا جاتا ہے۔ جو اپنی فتح کے وقت اپنی شکست کی نسبت نہیں سوچتا اور اقبال کے وقت ادبار کا خیال نہیں رکھتا اور ترقی کے وقت تنزل کے اسباب کو نہیں مٹاتا اس کی ہلاکت یقینی اور اس کی تباہی لازمی ہے۔"

(انوار خلافت صفحہ ۱۰۹)

آنے کا فوری سبب بنی۔ مراکو کے شمالی ساحل پر ایک قلعہ دار کونٹ جولین نامی تھا۔ یہ یونانی سردار تھا اور قیصر قسطنطنیہ کی طرف سے قلعہ سبطہ (Ceuta) کی نگرانی پر مامور تھا۔ اسپین کی حکومت سے اس کے مراسم اتنے دوستانہ ہو گئے تھے کہ گاتھ سلطنت کے آخری بادشاہ (Witiza) نے اپنی لڑکی کی شادی کونٹ جولین سے کر دی تھی۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق ملک کے امراء اور شاہی خاندان کے دوسرے افراد اپنے بڑے بچوں کو بادشاہ کے دربار میں بھجوا دیا کرتے تھے تا وہ شاہی آداب و مراسم سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ بادشاہ وقت ان بچوں کی نگرانی اور دیکھ بھال اپنے بچوں کی طرح کیا کرتا تھا۔ اور جب یہ بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتے تو اعزاز کے ساتھ اپنے والدین کی طرف بھجوا دیئے جاتے تھے۔ کونٹ جولین نے بھی اسی دستور کے مطابق اپنی لڑکی فلورانڈا کو شاہی دربار میں لرزانق کے پاس بھیجا۔ یہ لڑکی بہت خوبرو تھی۔ بادشاہ لرزانق عیاشی میں اتنا غرق ہو چکا تھا کہ باوجود اس بات کے کہ بادشاہ ان تمام بچوں کی نگہداشت کا باپ کی حیثیت میں ذمہ دار تھا۔ اس نے تمام اخلاقی مراتب کو بالائے طاق رکھ کر فلورنڈا سے ناجائز تعلق قائم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی اور بالآخر فلورنڈا کی عصمت دری کر لی۔

فلورنڈا نے تمام حالات اور مظالم جو بادشاہ کی طرف سے اس پر ہوئے تھے من وعن اپنے والد کونٹ جولین کو لکھ بھیجے۔ کونٹ جولین ان حالات کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ ویسے بھی کونٹ بادشاہ کا حامی نہ تھا کیونکہ بادشاہ لرزانق نے اس کے خسر کے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ اس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور کونٹ جولین دل میں بادشاہ کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان لئے طلیطلہ پہنچا لیکن ہوشیاری یہ کی کہ بادشاہ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ سارے حالات سے باخبر ہے۔ بادشاہ نے کونٹ کی بہت عزت افزائی کی اور خطابات اور خلعت فاخرہ سے نوازا۔ کونٹ اپنی بیٹی کو لے کر واپس ہوا۔ رخصت کے وقت بادشاہ نے کونٹ جولین سے کہا کہ اس کے لئے اپنے علاقہ سے اچھے شکاری باز بھجوائے۔ کونٹ نے جواب دیا کہ وہ عنقریب ایسے باز بھجوانے کا انتظام کر دے گا جو بادشاہ نے زندگی بھر نہ دیکھے ہوں گے۔ کونٹ کا اشارہ مسلمانوں کی طرف تھا۔ بادشاہ اس اشارہ کو نہ سمجھ سکا اور تزک و احتشام کے ساتھ کونٹ جولین اور اس کی لڑکی کو رخصت کر دیا۔

کونٹ جولین غیظ و غضب کا ایک طوفان اپنے دل میں لئے واپس ہوا اور چند دن بعد ہی مراکش روانہ ہو کر موسیٰ بن نصیر

حاکم مراکش کے دربار میں حاضر ہوا۔ کونٹ جولین نے بادشاہ اور پادریوں کے عوام پر ظلم کی داستانیں اس رنگ میں سنائیں کہ موسیٰ کا دل پگھل گیا۔ انسانیت پر ظلم دیکھ کر چپ بیٹھ جانا مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ چنانچہ موسیٰ نے کونٹ جولین سے وعدہ کر لیا کہ اگر بعد از تحقیق یہ بات بپایۂ ثبوت پہنچ گئی کہ اسپین کے عوام ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہے ہیں۔ تو وہ ضرور عوام کی امداد کو پہنچ کر ان کو ظلم سے نجات دلائے گا۔ کونٹ جولین نے یہ وعدہ کیا کہ مسلمانوں کے اسپین میں داخل ہونے کی صورت میں کونٹ اور اس کے ساتھی مسلمانوں کی امداد کریں گے۔ اس عہد و پیمان کے بعد کونٹ جولین تو واپس ہوا۔ لیکن موسیٰ بن نصیر نے اس بات کی تحقیق کے لئے کہ اسپین کے عوام واقعی بادشاہ اور کلیسا کے مظالم سے تنگ آچکے ہیں۔ اپنے ایک جرنیل طریف کو ایک دستہ فوج کے ساتھ چھپ کر اسپین جانے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی دمشق میں دربار خلافت سے کونٹ جولین کے ذکر کردہ جملہ حالات لکھ کر اسپین پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی۔

جرنیل طریف ۷۱۰ عیسوی میں کونٹ جولین کے مہیا کردہ چار جہازوں میں سوار ہو کر ساحلِ اندلس پر اترا۔ جرنیل طریف جس مقام پر اترے آج تک "طریفہ" کے نام سے مشہور ہے طریف نے واپس آکر مفصل رپورٹ موسیٰ کو

"عقل بھی خدا نے انسان کو ایک چراغ عطا کیا ہے کہ جس کی روشنی اس کو حق اور راستی کی طرف کھینچتی ہے اور کئی طرح کے شکوک اور شبہات سے بچاتی ہے اور انواع و اقسام کے بے بنیاد خیالوں اور بے جا وساوس کو رد کرتی ہے نہایت مفید ہے بہت ضرورت ہے بڑی نعمت ہے۔" (براہین احمدیہ)

پیش کی جس میں اس نے کونٹ جولین کے بیان کی لفظاً لفظاً تصدیق کی تھی۔ اور اس بات پر زور دیا تھا کہ مسلمانوں کو اس ملک کے عوام کو جلد از جلد بادشاہ کی بربریت سے بچانا چاہیئے۔ موسیٰ بن نصیر اب بھی باوجود اس رپورٹ کے اسپین پر حملہ کرنے میں کچھ متامل تھے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد دربار خلافت سے اجازت آگئی۔ اور موسیٰ بن نصیر نے اندلس پر حملہ کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔

موسیٰ بن نصیر نے طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد کو حکم دیا کہ اپنی فوج کو لے کر اندلس پر چڑھائی کرے۔ طارق اپنے ساتھ سات ہزار کا لشکر لے کر اسپین کے ساحل پر اترا۔ اس جگہ کا نام ہی "جبل الطارق" پڑ گیا۔ جو آج کل جبرالٹر کہلاتا ہے۔ موسیٰ نے ۵۰۰۰ مزید کمک بھیجی۔ طارق کی فوج بربر قبائل پر مشتمل تھی۔ عرب بہت کم تھے۔ یہ واقعہ ۷۱۱ عیسوی یعنی ۹۲ ہجری کا ہے۔

جولائی کا مہینہ تھا۔ رمضان کے روزے سب نے
رکھے ہوئے تھے۔ طارق جب ساحلِ اسپین پر اُترا۔
تو حکم دے دیا کہ شام کے وقت تمام جہازوں کو
جس میں یہ آئے تھے۔ نذرِ آتش کر دیا جائے۔
جب شام ہوئی۔ تو یکایک سمندر کی جانب سے شعلے
بلند ہونے شروع ہوئے۔ ایک تو مسلمانوں کا غیر
ملک میں ہونا۔ دوسرے جہازوں کو اس طرح آگ
لگ جانے سے فوج میں بددلی پھیل گئی۔ طارق نے
سب فوج کو جمع کیا۔ اور ایک روح پرور خطاب
میں فوج کو بتایا کہ جہاز اس کے حکم سے جلائے گئے
ہیں۔ اب مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے کھلے ہیں
یا تو بہادری سے لڑ کر ملک کو فتح کریں۔ یا پھر
سمندر میں غرق ہو جائیں گے۔ پیچھے بھاگنے کا
اب کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ مشہور مورخ
Stanley Lane Poole نے طارق
اس روح پرور تقریر کا آغاز ان الفاظ میں اپنی
کتاب میں درج کیا ہے۔

"Man before you is The enemy, and The sea is at your backs. By Allah there is no escape for you save in valour and resolution."

طارق نے یہ بھی کہا کہ تم میں سے جس کا
مقصد دنیا کمانے کے لئے اس فوج میں شمولیت
ہے۔ اس کے لئے اب بھی وقت ہے کہ واپس چلا
جائے۔ لیکن اگر سب کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا
اور اس کے بندوں کو ظلم سے نجات دلانے کی
ہے تو خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

اسی رات طارق کو خواب میں زیارتِ نبویؐ
بھی نصیب ہوئی۔ حضورؐ نے طارق کو فتحِ اسپین
کی بشارت دی نیز وعدوں کو ایفا کرنے اور
مسلمانوں سے نرمی کا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ اس
خواب سے طارق کی ہمت بندھ گئی۔ اور اُسے
اپنی فتحِ کامل کا یقین ہو گیا۔

جولائی ۷۱۱ء بمطابق ۲۸ رمضان المبارک
۹۲ھ ہجری شہر شدونہ کے متصل لاجنڈا کی
جھیل کے قریب چھوٹی سی ندی کے کنارے
میدانِ کارزار گرم ہوا۔ مسلمان تعداد میں صرف
بارہ ہزار تھے۔ ان میں سے اکثر پیدل تھے۔
اپنے ملک سے دُور تھے۔ سپلائی لائن کٹ
چکی تھی۔ جولائی کی تپتی دھوپ میں سب نے
روزے رکھے ہوئے تھے۔ حلق سوکھ چکے تھے۔
مقابل پر دشمن ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل جنگی
سازوسامان سے لیس فوج لے کر آیا ہوا تھا۔
بادشاہ لرزیق خود اس فوج کی کمان کر رہا تھا۔
اسپین کے نامور اور لستان پادری فوجیوں کو
مرنے مارنے پر ابھار رہے تھے۔ ہر سپاہی

جدید ترین اسلحے سے سر تا پا لیس تھا۔ دنیا نے ایسے معرکے کم ہی دیکھے ہوں گے کہ کوئی فوج اجنبی ملک میں داخل ہو کر اپنے سے آٹھ گنا بڑی فوج کے سامنے باوجود بے سرو سامانی کے صف آرا ہو گئی ہو۔

طارق کو اپنی کم مائیگی کا احساس تھا۔ لیکن اس کا بھروسہ خدا تعالیٰ پر تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ یہ جنگ ہوس ملک گیری یا زرگیری کی خاطر نہیں لڑی جا رہی بلکہ محض مخلوق خدا کو ظلم و استبداد کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرمائے گا۔ پھر بشارت ہوئی ہے اس کے خوصلے ہزار دس گنا بڑھا دیئے تھے۔ چنانچہ طارق نے اپنی مٹھی بھر فوج شہنشاہ لرزیق کے سامنے صف آرا کر کے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ طارق نے آیت قرآنی

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ.

(انفال ع)

پڑھی اور جوش میں فرمایا کہ اے مسلمانو! تم ہرگز یہ نہ سمجھو کہ تم اجنبی ساحل پر ہو۔ ہر ملک خدا کا ہے اور ہم خدا تعالیٰ کے ہی حکم کے ماتحت جہاد پہ کمر بستہ ہیں۔ اقبال نے اس واقعہ کو کیا ہی خوبصورت رنگ میں نظم کیا ہے۔

طارق چوں بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہِ خرد خطا ست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

اپنے پُر ولولہ خطاب کو جاری رکھتے ہوئے طارق نے فرمایا

"اے لوگو بھاگ کر کہاں جاؤ گے پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن بخدا تمہارے لئے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ڈٹ جاؤ۔ اور کھرے ثابت ہو جاؤ کہ اس جزیرہ میں تمہاری حیثیت اس یتیم سے بھی گئی گذری ہے۔ جو

"اگر تم کامل طور پر اطاعت کرو گے تو مشکلات کے بادل اڑ جائیں گے تمہارے دشمن زیر ہو جائیں گے اور فرشتے آسمانوں سے تمہارے لئے ترقی والے نئے زمین اور تمہاری عظمت و سطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے لیکن شرط یہی ہے کہ کامل فرمانبرداری کرو"

(الفضل ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء)

کسی لئیم کی ضیافت میں آ موجود ہو
تمہارا دشمن لشکر اور اسلحہ کے ساتھ
تمہارے مقابلہ کو آیا ہے۔ سامان خورد و
نوش بھی اس کے پاس وافر ہے۔ ادھر
تمہارا یہ حال ہے کہ تلواروں کے سوا
تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ خورد و
نوش کے لئے بھی تمہارے پاس صرف
اتنا ہی ہے جتنا تم دشمن کے ہاتھوں
سے چھین سکو۔ اگر اسی طرح بے سروسامانی
میں وقت گذرتا چلا گیا اور تم نے
کچھ کر نہ دکھایا۔ تو تمہارا بھرم کھل
جائے گا۔ اور جن دلوں میں تمہارا
رعب بیٹھا ہوا ہے۔ وہی پھر تمہیں
خاطر میں نہیں لائیں گے۔ لہٰذا تم
انجام کار ایسی رسوائی سے بچنے کے
لئے فوراً اس مغرور سے نپٹ لو۔ اس
کے قلعہ بند شہر نے اسے باہر نکال کر
تمہارے سامنے ڈال دیا ہے۔ تم اس
موقع سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو۔
بشرطیکہ تمہیں اپنے لئے موت گوارا
ہو۔ جس بات سے میں تمہیں آگاہ کر
رہا ہوں۔ میں خود اس سے بے پروا
نہیں ہوں۔ میں تمہیں ایسے رستے پر
چلاؤں گا جس میں متاع جان سب
سے زیادہ ارزاں ہوتی ہے۔ ابتداء
میں خود اپنے آپ سے کرتا ہوں۔ یہ
یاد رکھو کہ اگر تم نے تھوڑا عرصہ
تکلیفوں پر صبر کیا۔ تو مدتوں
عیش و آرام سے لطف اندوز ہو گے
..... یہ نہ بھولو کہ تمہیں جس کام
کی دعوت دے رہا ہوں میں خود
اس کی طرف سے پہلے اقدام کروں
گا۔ جیسے ہی دونوں فوجوں کی مڈھ بھیڑ
ہو گی۔ میں خود ان لوگوں کے متکبر
بادشاہ لزریق پر حملہ کر کے اسے
قتل کر دوں گا۔ انشاء اللہ العزیز۔
تم بھی میرے ساتھ حملہ کرنا۔ اگر میں
لزریق کو مار کر مرا تو تمہیں
اس کے جنجال سے نجات دلا چکا
ہوں گا اور تمہیں کوئی سوجھ بوجھ
رکھنے والا بہادر مل ہی جائے گا جسے
تم اپنے معاملات کی قیادت سونپ
سکو۔ اور اگر میں لزریق تک پہنچنے
سے قبل ہی مر جاؤں تو میری جگہ اس
منصوبہ کو تم اپنا لینا اور تم خود اس
پر حملہ کرنا۔ اس کے قتل کرنے سے
اس جزیرہ کو فتح کرنے کا تمہارا
منصوبہ پورا ہو جائے گا۔ اس لئے
کہ اس کے بعد یہ سب چھوٹ بھاگیں
گے ؟"

میدانِ کارزار گرم ہوا۔ دھوپ کی تمازت
سے چہرے جھلس رہے تھے۔ دشمن ساز و سامان
سے لیس مقابل پر آیا مسلمانوں نے نعرہ تکبیر
بلند کیا۔ اور فتح اور شہادت کے جذبہ سے
سرشار ہو کر دشمن پر پل پڑے۔ طارقؓ کی
شمشیرِ خارا شگاف میان سے تڑپی۔ اور صفوں
کے صف الٹتی چلی گئی۔ مسلمانوں کے بے پایاں
عزم اور یقین محکم نے دشمن پر ان کی ایسی ہیبت طاری
کر دی کہ پوری فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں کی
شمشیر جس طرف بھی چلتی۔ یوں لگتا گویا بجلی کوند
رہی ہے۔ اور دشمن کے سر پہ صاعقہ بن کر یہ تلوار
گرتی چلی جاتی تھی۔ شام تک دشمن کے پاؤں اکھڑ
چکے تھے۔ تکبر اور غرور کا سر پاؤں تلے کچلا جا چکا
تھا۔ مسلمان فتح کی خوشی میں مخمور آگے بڑھتے ہی
چلے جا رہے تھے۔ اور دشمن رات کی تاریکی میں بھاگا
چلا جا رہا تھا۔ خود لزریق ایسا بھاگا کہ آج تک
اس کے متعلق کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کب اور کہاں
اور کیسے مرا۔ میدان مسلمانوں نے جیت لیا۔ سب
نے اپنے خالق و مالک کے آگے سجدۂ شکر ادا کیا۔
طارقؓ کا دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز تھا۔ تاریخ
میں ایک انہونی بات کا اضافہ ہوا تھا کہ ایک
فوج بے سر و سامان۔ غیر ملک میں۔ بغیر سامانِ رسل و
رسائل کے اپنے سے آٹھ گنا بڑی تازہ دم اور
کیل کانٹے سے لیس فوج سے ٹکرا گئی۔ اور دشمن کے
غرور کو شکست کی ذلت سے پاش پاش کر دیا۔

"میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ
تم کتنے ہی عقلمند اور مدبر ہو اپنی تدابیر
اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ
نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک تمہاری عقلیں
اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں
اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو۔ ہرگز اللہ تعالیٰ
کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔"
(الفضل ۴ ستمبر ۱۹۳۷ء)

بے اختیار طارقؓ نے ایک قصیدہ پڑھا جو اس کے
دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا۔ اس کے تین شعر ہی
محفوظ رہ سکے ہیں۔ طارقؓ نے فرمایا۔

رَکِبْنَا سَفِیْنًا بِالْمَجَازِ مُقَیَّرًا
عَسٰی اَنْ یَکُوْنَ اللّٰہُ مِنَّا قَدِ اشْتَرٰی
نُفُوْسًا وَاَمْوَالًا وَاَھْلًا بِجَنَّۃٍ
اِذَا مَا اشْتَھَیْنَا الشَّیْءَ فِیْھَا تَیَسَّرَا
وَلَسْنَا نُبَالِیْ کَیْفَ سَالَتْ نُفُوْسُنَا
اِذَا نَحْنُ اَدْرَکْنَا الَّذِیْ کَانَ اَجْدَرَا

ترجمہ:۔ ہم مجاز میں کشتیوں پر سوار ہوئے جن کی
درزیں قیر سے پاٹی گئی تھیں۔ اس امید میں کہ اللہ
نے ہم سے خرید لیا ہے جان، مال اور اہل وعیال
کو جنت کے بدلے میں۔ جس میں جب بھی ہم کسی
چیز کی خواہش کریں گے تو وہ مل جائے گی۔ ہمیں

اس بات کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ہماری جانیں کس طرح لگاتار قربان ہوتی ہیں جبکہ اس سے کہیں زیادہ قابل قدر چیز ہم کو حاصل ہے۔

طارق کی یہ فتح ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کے شروع ہونے کی بنیاد بنی۔ مسلمانوں کی فوج ظفر موج طارق کی قیادت میں بڑھتی چلی گئی تا آنکہ ہسپانیہ کے دارالحکومت طلیطلہ میں فتح و ظفر کے نقارے بجاتی ہوئی داخل ہو گئی۔ طارقؒ ایک سپاہی اور کامیاب جرنیل ہی نہ تھے۔ بلکہ ایک دیندار۔ خدا ترس اور متقی انسان بھی تھے۔ ان کی للّٰہیت اور دین کے لئے سرفروشی کے جذبہ کا اظہار ان کے ابیات سے مترشح ہے جو ابھی میں نے درج کئے ہیں۔ ایک موقع پر جب طارق اور موسیٰ بن نصیر دونوں سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں حاضر تھے۔ سلیمان نے موسیٰ سے دریافت کیا کہ "جب تم لڑائی لڑتے اور دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو اپنا دل مضبوط رکھنے کے لئے تم کیا کرتے تھے" انہوں نے جواب دیا "میں لڑائی کے وقت خشوع و خضوع۔ دعا اور صبر پہ تکیہ کرتا تھا" موسیٰ کے اس فقرہ سے جس توکل اور للّٰہیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہی جذبہ طارق میں بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

یہ تھی ابتداء ہسپانیہ میں اسلام کے داخل ہونے کی۔ مسلمانوں نے نہ صرف ہسپانیہ کو ہی بلکہ پورے یورپ کو قرآنی علوم کے انوار سے منور کر دیا تھا۔ وہ سرزمین جو چٹیل اور ریتیلے میدانوں کا ایک وسیع خطہ تھی۔ اور جہاں زیتون کے سوا کوئی درخت نہ تھا۔ اور جہاں جہالت کا دور دورہ تھا۔ اور جہاں کے عوام کو اپنے حقوق کا علم و احساس تک نہ تھا۔ جہاں قتل و غارت گری عام تھی۔ وہ سرزمین مسلمانوں نے چند صدیوں کے اندر اندر علوم و فنون۔ سائنس و ٹیکنالوجی۔ علم و ادب کے خزانوں سے بھر دی۔ اسپین کی زرخیزی اسلامی دور حکومت میں تمام یورپ سے بڑھ کر تھی۔ غلّہ کی افراط اور اقتصادی استحکام کی وجہ سے سارا یورپ ان کا محتاج تھا۔

گمشدہ رسید بک

مجلس خدام الاحمدیہ عبدالحکیم کینٹ ضلع ملتان کی رسید بک ۱۲۶۰۸ بالکل نئی گذشتہ سال کسی طرح گم ہو گئی۔ احباب مطلع رہیں کہ اس رسید بک پر کسی قسم کی ادائیگی نہ فرمائیں بلکہ اگر یہ رسید بک ملے تو براہ کرم دفتر خدام الاحمدیہ مرکزیہ میں بھجوا کر ممنون فرمائیں۔

(مہتمم مال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

(شخصیات)

(طارق احمد بٹ)

مارشل جوزف ٹیٹو

"ہم دوسروں کے حاشیہ بردار
بننے اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے
کی پالیسی پر کبھی رضامند نہیں ہوں
گے۔ اور اگر ہم پر چودھراہٹ مسلط
کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم مقابلہ
کریں گے۔ ممکن ہے اس مقابلہ میں ہم
تباہ ہو جائیں لیکن ہمارا نام تاریخ
میں عزت کے ساتھ لیا جائے گا۔"

یہ الفاظ یوگوسلاویہ کے آنجہانی صدر مارشل جوزف ٹیٹو کے ہیں جو جلیجانا کے ایک ہسپتال میں ۴ مئی ۱۹۸۰ء کو انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً ۸۸ سال تھی کہ ۲۵ مئی ۱۹۸۰ء کو ان کی ۸۸ ویں سالگرہ ہونے والی تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران ابھرنے والے عظیم عالمی رہنماؤں روزویلٹ اسٹالن، چرچل اور ڈیگال وغیرہ میں سے ٹیٹو آخری رہنما تھے۔

مارشل ٹیٹو ۳۵ سال سے یوگوسلاویہ کے حکمران تھے۔ وہ کئی بار ملک کے صدر منتخب ہوئے اور آخری بار مئی ۱۹۷۴ء میں انہیں یوگوسلاویہ کا تاحیات صدر منتخب کر لیا گیا تھا۔ یوگوسلاویہ کی صدارتی کمیٹی نے صدر ٹیٹو کی موت کا اعلان کرتے ہوئے انہیں یوگوسلاویہ کی تاریخ کی سب سے اہم شخصیت قرار دیا اور کہا کہ:-

"ٹیٹو نے جو انقلابی کام انجام دیئے
وہ یوگوسلاویہ کے عوام اور قوموں کی
تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے
جائیں گے اور تمام امن پسند لوگ
انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

یوگوسلاویہ چھ ریپبلکس کا وفاق ہے۔ سربیا، اسلووینیا، کروشیا، مونٹینیگرو، مقدونیہ اور بوسینا ہرزیگووینا۔ دو مختار صوبے کوسود اور وجدڈینا ہیں۔ نسلی اعتبار سے ان علاقوں میں مختلف بلکہ متضاد قومیں آباد ہیں جن میں تاریخی اور ثقافتی اختلافات بھی ہیں۔ سرب اور کروٹس میں پرانے اختلافات ہیں مقدونیہ کا اپنے ہمسایہ ممالک بلغاریہ اور یونان سے سرحدی تنازعہ ہے۔ یونان سے اختلاف کی نوعیت تو محض تاریخی ہے لیکن بلغاریہ سے سرحدی تنازعہ بڑا خطرناک ہے۔

خود مختار صوبہ "کوسود" کی بیشتر آبادی

البانوی نسل کے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ مسلمان
غریب اور پسماندہ ہیں اور البانیہ کی علیحدگی پسندی
کی پالیسی کے سبب اگرچہ دونوں علاقوں میں اتحاد
کی کوئی تحریک نہیں ہے پھر بھی یوگوسلاویہ کے
اقتصادی طور پر ترقی یافتہ علاقے پسماندہ مسلمانوں
کو اقتصادی امداد دینا پسند نہیں کرتے ہیں اور
یہ بات بذاتِ خود کشیدگی کا سبب ہے۔

ملک کی آبادی تین کروڑ کے لگ بھگ ہے
جس میں ۴۳ فیصد سرب ہیں اور ۲۴ فیصد
کروٹس ہیں اور ۸ فیصد سالونیز ہیں۔ ملک
کا رقبہ ۹۸ ہزار ۷ سو ۲۵ مربع میل ہے۔ تاریخی
اعتبار سے یوگوسلاویہ کوئی قدیم مملکت نہیں ہے
اس کا قیام ۱۹۱۸ء میں مختلف علاقوں کو خصوصی
طور پر جوڑ کر عمل میں آیا۔

دوسری جنگ عظیم میں جب جرمن فوجوں نے
یوگوسلاویہ پر چڑھائی کی تو انہیں دو جانب سے
خاصی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ سربیا میں جنرل
نے اور بوسینیا، کروشیا اور سلووینیا کے
علاقوں میں مارشل ٹیٹو کے نیشنل لبریشن فرنٹ
نے جرمنوں کو روکا۔ بعد میں جنرل میہلیوی جرمنوں
سے مل گیا تو صرف کمیونسٹ رہنما ٹیٹو کی مزاحمت
باقی رہ گئی۔ ۱۹۴۵ء میں ٹیٹو کے حامی فوجیوں کی
کی تعداد ۸۰۰ ہزار کے لگ بھگ تھی اور اسی فوج
نے طوریوں کی ۴۰ ڈویژن فوج کو جنگ میں
الجھا رکھا تھا۔ اور عملاً یورپ میں طوری فوج
کی کامیاب ترین مزاحمت تھی۔ ۱۹۴۶ء میں
ٹیٹو کی فوج نے دارالحکومت بلغراد کو آزاد کرا لیا
اور ملک کو عوامی جمہوریہ قرار دے کر بادشاہ
پیٹر کو معزول کر دیا۔ ایک سال بعد الیکشن
ہوئے تو ملک کی ۹۰ فیصد آبادی نے ٹیٹو کے
حق میں ووٹ دیا اور ٹیٹو صدر بن گئے۔

ٹیٹو ۲۵ مئی ۱۸۹۲ء میں کروشیا میں
پیدا ہوئے۔ ان کے والد لوہار تھے۔ ۱۵ بہن بھائیوں
میں جوزف ٹیٹو کا ساتواں نمبر تھا۔ ۱۳ سال کی عمر
میں انہوں نے ایک نوآموز مکینک کی حیثیت سے
کام شروع کیا۔ جلد ہی مزدوروں کے جلوسوں میں
شرکت کرنے لگے۔ پہلی جنگ عظیم میں انہوں نے
آسٹریا کی فوج کے سپاہی کی حیثیت سے جنگ
میں حصہ لیا۔ اور روسی محاذ پر شدید زخمی ہوئے۔
انہیں پکڑ کر اخال میں جنگی قیدی بنا لیا گیا۔
زار روس کی تخت سے دستبرداری کے بعد وہ
فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۲۰ء میں
کروشیا واپس پہنچے اور یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ
پارٹی کی تنظیم میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۸ء میں انہیں
سیاسی سرگرمیوں کے جرم میں ۵ سال قید
سخت کی سزا سنائی گئی۔ ۱۹۳۵ء میں ٹیٹو ماسکو
گئے جہاں انہوں نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کے
بلقان کے شعبہ میں کام کیا۔ ۱۹۴۰ء میں وہ
یوگوسلاویہ واپس آئے اور حملہ آور طاقتوں
کے خلاف مزاحمت کی جنگ کی قیادت کی۔ جس

پر انہیں قومی آزادی کی کمیٹی کے صدر کا خطاب اور مارشل کا عہدہ ملا۔ جوزف ٹیٹو نے تین شادیاں کیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں۔

جب ٹیٹو برسر اقتدار آئے تو یوگوسلاویہ دوسری جنگ عظیم کے اثرات سے اسی طرح متاثر تھا جس طرح مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک۔ لیکن صدر ٹیٹو نے یوگوسلاویہ کی صنعتی ترقی کے لئے ایک مؤثر پروگرام تیار کیا جس کے تحت ملک کے خام مال اور فنی صلاحیتوں سے بھرپور کام لیا گیا۔ اسی طرح زراعت کی ترقی کے لئے بھی ان کی کوششیں انتہائی اہم ثابت ہوئیں۔ ان کی مسلسل کوشش اور بہتر صنعتی نظم و نسق کے نتیجہ میں آج یوگوسلاویہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔

صدر ٹیٹو نے یوگوسلاویہ کو سیاسی اعتبار سے مستحکم بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یوگوسلاویہ مختلف نسلوں، زبانوں اور مذہبی وحدتوں کا ملک ہے۔ عیسائی اکثریت میں ہیں۔ یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی آبادی ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۲ فیصد ہے۔ مارشل ٹیٹو انتہائی روادار تھے۔ اور ان کے دور حکومت میں مسلمانوں نے سرکاری خرچ سے سات سو مسجدیں تعمیر کیں۔ بلاشبہ یہ صدر ٹیٹو کی ماہرانہ قیادت تھی جس نے لسانی، نسلی، علاقائی اور مذہبی اختلافات رکھنے والوں کو متحد بنا رکھا تھا۔

صدر ٹیٹو نے بین الاقوامی سطح پر بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے ملک کو روس کی بالادستی سے آزاد کرایا اور سٹالن کی اُن کوششوں کو ناکام کر دیا جو اس نے دوسرے مشرقی یورپی ممالک کے ساتھ یوگوسلاویہ کو بھی اپنے زیر تسلط لانے کے لئے کی تھیں۔ صدر ٹیٹو نے چیکوسلواکیہ کی روس سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش میں جہاں تک ممکن ہو سکا مدد کی۔

صدر ٹیٹو کا ایک بڑا کارنامہ غیر وابستگی کی تحریک ہے۔ وہ اس تحریک کے بانی اراکین میں تھے اس تحریک کو طاقتور بنانے میں انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ صدر ٹیٹو امریکہ اور روس کی بالادستی کے مخالف تھے۔ وہ مشرقی یورپ کو روسی بالادستی سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ حق خود اختیاری کی تحریکوں کے حامی تھے۔ انہوں نے افغانستان میں روس کی بالادستی کی بھی شدید مخالفت کی۔ صدر ٹیٹو نے جنوری ۱۹۶۸ء میں پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ اس لحاظ سے صدر ٹیٹو نے صرف اپنے ملک کی اجتماعی زندگی پر ہی اثر نہیں ڈالا بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ان کی شخصیت حالات و واقعات پر اثر انداز ہوتی رہی ہے۔ ایک موقع پر صدر ٹیٹو نے کہا :۔

"دنیا کی ستر فیصد آبادی، آمدنی کے صرف پندرہ فیصد حصے سے مستفید ہوتی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کے

نام قرضوں کی ادائیگی ، اس پر سود میں ان ملکوں کے بیرونی زرمبادلہ کا زیادہ حصّہ ختم ہو جاتا ہے۔ دُنیا کے اقتصادی نظام میں تبدیلی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں ملکوں کے لئے نہایت ضروری ہو گئی ہے ، ورنہ ابھی عالم آج نہیں تو کل برباد ہو جائے گا ۔ نوکر شاہی اور فنّی ماہرین کی انتظامیہ میں اجارہ داری یہ دو خطرات اتنے اہم ہیں کہ ہمارے لئے حقیقی خطرے کا باعث ہو سکتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یوگوسلاویہ ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں ضرورت پڑنے پر ہنگامی اقدامات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یوگوسلاویہ کے لوگ ٹیٹو کے اس قول کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں کہ :-

"کام اس طرح کرو جیسے سو سال تک امن رہے گا ، لیکن تیاری اس طرح کرو جیسے کل ہی جنگ کرنا پڑے گی۔"

مارشل ٹیٹو فنّی ماہرین اور نوکر شاہی کی اجارہ داریوں کے شدید مخالف رہے ۔ اور ان کا اصول خود انتظامی نظام میں علیحدگی اور خفیہ پالیسی کی گنجائش نہیں بلکہ اس میں مشترک مفادات اور عوام کے دکھ درد مشترک ہوتے ہیں لہذا خود انتظامیہ انفرادی اداروں کی سطح سے بلند ہونی چاہیئے ۔ اور مختلف انجمنوں کے نظام پر تعمیر ہونی چاہیئے جو دراصل وسیع پیمانوں پر خود انتظامیہ کی ترقی ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ جدید دُنیا میں جو معاشی اصلاحات ہوئیں ہیں ان میں معاشرتی پہلو اور انسانی حکومت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ فنّی ماہرین اور انتظامیہ کے رجحانات کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں مزدوروں کی صلاحیتوں پر انحصار نہیں ہے ــــ مزدوروں پر عدم اعتماد ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جامد کر دیتا ہے ــــ"

مارشل ٹیٹو کہتے ہیں کہ :-

"کاروباری تجربہ اور تنظیمی مہارت سے فائدہ اٹھاتے وقت کسی صورت میں بھی سرمایہ دارانہ اور تحکمانہ عناصر کو اپنے سماجی امور میں پنپنے نہیں دینا چاہیئے۔"

ان کا نظریہ یہ تھا کہ بعض اوقات فنّی اور نوکر شاہی نظام کے وجود کو اس لئے برداشت کیا جاتا ہے کہ ایک مفید جدید قسم کی معیشت تعمیر ہو سکے ۔ اور خود انتظامی نظام کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے ۔ لیکن آخر کار خود انتظامی نظام کی طرف رجوع کر لیا جاتا ہے ــــ

جوزف بروز ٹیٹو نے اپنی طویل مجاہدانہ جدوجہد سے پُر زندگی میں کبھی کسی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے ۔ انہوں نے اپنے عہد کے تیس ایسے آمروں

ہٹلر اور مسولینی اور اسٹالن کو چیلنج کیا اور یہ تینوں حکمران ٹیٹو کو اپنے قدموں میں جھکانے کی تمنا لئے ہوئے موت سے ہمکنار ہو گئے ــــ ٹیٹو کی زندگی جتنی ہنگامہ خیز تھی، ان کی موت بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ ان کی موت سے نہ صرف یوگوسلاویہ بلکہ تیسری دنیا اور مغرب کے لئے کئی اہم حالات و مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

جدید یوگوسلاویہ کے بانی۔ یوگوسلاویہ کی سوشلسٹ وفاقی جمہوریہ کے صدر اور غیر جانبدار تحریک کے روحِ رواں مارشل جوزف بروز ٹیٹو بلاشبہ ایک عالمی تاریخی شخصیت تھے۔ انہیں "روز بوکا" بلغراد میں ان کی ذاتی رہائش گاہ کے گلابوں کے پھولوں کے باغ میں ۸ مئی ۱۹۸۰ء کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اس موقع پر ۴۸ توپوں کی سلامی دی گئی۔ صدر ٹیٹو کی آخری رسومات میں جن رہنماؤں نے شرکت کی، ان میں روس کے صدر برزنیف، چین کے وزیر اعظم ہوا کوفنگ۔ فرانس کے صدر جسکارڈ دیستان، برطانیہ کی وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر، امریکہ کے نائب صدر والٹر مونڈیل، بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی۔ مغربی جرمنی کے چانسلر شمٹ۔ جاپان کے وزیر اعظم اوہیرا، رومانیہ کے صدر چاؤ سسکو۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق۔ اور بنگلہ دیش کے صدر ضیاء الرحمن سمیت ۴ بادشاہ، ۳۰ صدر، ۳۰ وزرائے اعظم اور نائب وزرائے اعظم ۴۶ وزرائے خارجہ اور ۱۳۰ دوسرے اہم رہنما شامل ہوئے

یوگوسلاویہ کے موجودہ صدر لازار کولی سیسکی نے صدر ٹیٹو کو ان کی قبر کے کنارے آخری بار الوداع کہتے ہوئے کہا کہ:-

"یوگوسلاویہ کے لوگ عہد کرتے ہیں کہ وہ اپنے انقلاب کے بنیادی اصولوں پر ثابت قدم رہیں گے۔ انسانی آزادی کو تیز تر کرنے کی جدوجہد کو ان کی پوری ہمدردی اور حمایت حاصل ہو گی۔ اور ان لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے جو انقلاب کی کامیابیوں اور کامرانیوں کو نقصان پہنچائیں گے اور اس کے رخ کو بدلیں گے"

بقیہ تکیہ کلام از صفحہ ۳۶

بدبخت گھڑیال تھا ـــ کم بخت چار بجے تھے۔ اس کے بعد وہ یقیناً محتاط ہو جائیں گے اور اگر آپ نے کئی مرتبہ اسی طرح ان کا تعاقب کیا تو شاید ان کا تکیہ کلام بدل جائے؟

(شفیق الرحمن کے مضمون "تکیہ کلام" سے ماخوذ)

طنز و مزاح

تکیۂ کلام

مرسلہ:۔ طارق احمد بٹ

تکیہ کلام نہایت مفید چیز ہے اور سچ پوچھ گفتگو کا تکیہ ہے۔ یعنی باتیں کرنے والا جب چاہے اس کا سہارا لے سکتا ہے۔ ہمیں وہ تکیہ کلام پسند نہیں جس کی عادت پڑ جائے اور جس پر قابو نہ رہے۔ کیونکہ جو چیز بے قابو ہو جائے اس میں آرٹ نہیں رہتا ہمارے خیال میں قابلِ تعریف وہ تکیہ کلام ہے جو ضرورت کے مطابق اختیار کیا گیا ہو۔ وہ ہمیشہ آڑے آتا ہے۔ ایسے تکیہ کلام کی ہم پُرزور سفارش کرتے ہیں۔

یہ ہماری انتہائی ناتجربہ کاری ہے کہ گفتگو کی ابتدا میں ہم دونوں میں بالکل تمیز نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ بعض اوقات تو ہم گفتگو میں کہ تکیہ کلام کی موجودگی تک نہیں پہچان سکتے اور اس قسم کے حادثے اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب کشمیر کا ذکر کر رہے ہیں:

"جب میں کیا نام وہاں گیا تو تقریباً تقریباً سبھی قابلِ دید مقامات کی کیا نام سیر کی اور وہ جھیل کیا نام بھی دیکھی، وہ جو مشہور کیا نام جھیل ہے نا؟"

"ڈل ہے اس کا نام"۔ ہم لقمہ دیتے ہیں

"ہاں، کیا نام ڈل جھیل بھی دیکھی، سری نگر میں نشاط اور شالامار باغ بھی کیا نام دیکھے اور وہ کیا نام چشمہ بھی دیکھا خوب ہے، وہ چشمہ کیا نام......!"

"جی شاہی چشمہ ہے اس کا نام"۔

"تو کیا نام شاہی چشمہ بھی دیکھا"۔

اسی طرح گفتگو ہوتی رہتی ہے اور بہت دیر میں ہمیں پتہ چلتا ہے "کیا نام" تو ان کا تکیہ کلام ہے۔ اپنی کم فہمی پر افسوس ہوتا ہے۔

ہمیں صرف وہ تکیہ کلام ناگوار معلوم ہوتا ہے جو کانوں کو ناگوار معلوم ہو مثلاً کئی حضرات کا تکیہ کلام "کم بخت، یا گدھا یا اُلو" ہوتا ہے بعض حضرات تو اس سے تجاوز کر کے گالیوں تک جا پہنچتے ہیں — ایسے حضرات کا علاج ہم بتائیں۔ فرض کیجیے ان کا تکیہ کلام ہے کم بخت۔ وہ آپ سے باتیں کر رہے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"یہ کم بخت نوکر کہاں جا مرا؟ دن بدن بگڑتا جا رہا ہے کم بخت، اور یہ گھر والے کم بخت بھی ایسے کم بخت ہیں کہ نوکروں کو بالکل ڈھیل دے رکھی ہے جو چاہیں کریں۔ کیا بجا ہوگا وقت؟ یہ کم بخت گھڑی بھی بند ہے"۔ آپ جواب دیجیے:۔

"مجھے افسوس ہے کہ کم بخت میری گھڑی ایک بدبخت گھڑی ساز کے ہاں عرصے سے پڑی ہے، لیکن میں نے ابھی ابھی ایک کم بخت گھڑیال کی کم بخت آواز سنی تھی۔ شاید کم بخت ڈاک خانے کا

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

سعدیؒ کی حکایتیں

گلستانِ سعدیؒ سے انتخاب و ترجمہ :

از جناب مرزا محمد افضل خان

حضرت شیخ سعدیؒ کی حکایات ان کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہیں جو سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز بھی ہیں۔ انہی میں سے چند گلہائے رنگا رنگ پیشِ خدمت ہیں۔

(۱)

ایک مرتبہ ایک بادشاہ نے ایک قیدی کو پھانسی کا حکم دیا تو وہ بادشاہ کو بُرا بھلا کہنے لگا! بادشاہ نے پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کے ایک وزیر نے جو بہت نیک سرشت تھا کہا کہ بادشاہ سلامت یہ کہہ رہا ہے کہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔ (یعنی خدا غصّہ کو دبانے اور لوگوں کو معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) اس پر بادشاہ کو رحم آیا اور اُسے آزاد کر دیا۔ اس پر بادشاہ کے ایک اور وزیر نے جو شریر اور مفسد تھا۔ بادشاہ سے کہا کہ یہ وزیر جھوٹ بول رہا ہے قیدی نے تو آپ کو گالیاں دی ہیں۔ بادشاہ اس کی بات سُن کر بہت ناراض ہوا اور اسے کہنے لگا کہ اے فسادی! مجھے اس کا جھوٹ تمہارے اس سچ سے زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں خیر تھی اور تیری بات باعث فساد اور خبث کی بنیاد ہے۔ اور عقلمندوں کا کہنا ہے کہ

دروغِ مصلحت آمیز بہ کہ راستی فتنہ انگیز

یعنی مصلحت آمیز جھوٹ بہتر ہے ایسے سچ سے جس سے فتنہ زیادہ ہو۔

(۲)

ایک مرتبہ ایک بادشاہ اور اس کا غلام بحری سفر پر روانہ ہوئے چونکہ غلام کا بحری سفر کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ اس لئے جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو ڈر کے مارے غلام نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور بادشاہ کے تسلی دلانے پر بھی چپ نہ ہوا دوسرے لوگوں نے بھی اسے سمجھایا مگر غلام شور مچاتا رہا۔ اس پر پاس بیٹھے ہوئے ایک درویش نے بادشاہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے چپ کرا دوں بادشاہ جو غلام کے شور سے زچ ہو چکا تھا کہنے لگا آپ کا بڑا احسان ہوگا اگر یہ چپ ہو جائے چنانچہ درویش نے بادشاہ کے مصاحبوں سے کہا کہ اسے پانی میں پھینک دو انہوں نے غلام کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا جب اسے دو تین غوطے آئے تو درویش نے کہا کہ اب اسے نکال

ل۔ اس پر غلام کو نکال کر کشتی میں بٹھا لیا گیا جونہی غلام کشتی میں آیا تو ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا اور بالکل خاموش ہو گیا۔ بادشاہ کے پوچھنے پر درویش نے کہا کہ اے بادشاہ! یہ غلام

موت کی تکلیف سے بے بہرہ تھا۔ اور کشتی کی پرسکون فضا کی قدر سے ناواقف۔ اور عافیت کی قدر وہی جانتا ہے جو مصائب سے دوچار ہو چکا ہو۔

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیان پرسی کہ اعراف بہشت

ترجمہ:- بہشت کی حوروں کے نزدیک اعراف دوزخ کی طرح ہے جبکہ دوزخیوں سے پوچھیں تو وہ اعراف کو بھی بہشت کہتے ہیں۔

(۴۳)

ایک مرتبہ ایک بادشاہ سخت بیمار ہو گیا حکماء نے بہت علاج کیا لیکن بادشاہ صحت یاب

نہ ہوا۔ آخر تمام حکماء نے متفقہ فیصلہ دیا کہ بادشاہ کی صحت کے لئے ایسے آدمی کا خون بہایا جائے جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو۔ چنانچہ تلاش بسیار کے بعد ایک کسان کا بیٹا مل گیا جو ان کے مطابیہ کے مطابق تھا چنانچہ قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ کی سلامتی کے لئے آدمی کا خون بہانا جائز ہے اور جلاد تیار ہو گیا کہ اس کا سر قلم کرے کسان کو بہت سا مال و متاع دیدیا تو وہ بھی راضی

ہو گیا۔ جب اس لڑکے کو قتل کیا جانے لگا تو اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور مسکرانے لگا۔ اس پر بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی پوچھنے پر وہ لڑکا بولا کہ اے بادشاہ ایک بیٹے کو اپنے ماں باپ پہ ناز ہوتا ہے اور معاملات قاضی کے سامنے پیش ہوتے اور انصاف کے لئے بادشاہ سے

درخواست کی جاتی ہے مگر میرا حال عجیب ہے کہ ماں باپ نے حقیر دنیا کی خاطر میرا خون بیچ دیا۔ قاضی نے میرے قتل کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ وقت اپنی ذاتی منفعت کی خاطر میری ہلاکت کے درپے ہے اور اب سوائے خدا کے میری کوئی پناہ نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ کا دل

پسیج گیا۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں کہنے لگا کسی بے گناہ کے خون سے تو بہتر ہے کہ میں خود ہلاک ہو جاؤں اور پھر اسے سر آنکھوں پر بوسہ دے کر پاس بٹھایا اور بہت سا انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ جلدی صحت یاب ہو گیا۔

اخبارِ مجالس

مرتبہ: بشارت الرحمٰن۔

ماہ جولائی ۱۹۸۰ء تک ادارہ خالد کو موصول ہونے والی رپورٹس کے مطابق حسب ذیل مجالس نے تربیتی کلاسز، اجتماعات اور اجلاسات منعقد کئے ہیں۔

نام مجلس	تاریخ	نام مجلس	تاریخ
مغلپورہ	۳ر مئی تا ۹ر مئی ۱۹۸۰ء	ضلع حیدر آباد	یکم مئی تا ۲ مئی ۱۹۸۰ء
ڈرگ روڈ کراچی	۱۵ر اگست تا ۲۴ر اگست ۱۹۷۹ء	انور آباد (لاڑکانہ)	۱۴ر مارچ تا ۱۵ر مارچ ۱۹۸۰ء
فیصل آباد		ضلع بہاولنگر	
۶۴۶ گ.ب ٹھٹھہ	۱۲ر جون ۱۹۸۰ء	چک ۱۸۴/7-R	۲۵ر جنوری ۱۹۸۰ء
۱۹۴ لاٹھیانوالہ	۱۳ر جون ۱۹۸۰ء	" ۱۸۵/7-R	۸ر فروری ۱۹۸۰ء
۶۱ ج.ب بیدیانوالہ	"	" ۱۴۹/7-R	۱۵ر فروری ۱۹۸۰ء
۲۶۶ کھرڑیانوالہ	۱۴ر جون ۱۹۸۰ء	" ۱۴۴/7-R	۴ر مارچ ۱۹۸۰ء
تحصیل جڑانوالہ	۶ر جون ۱۹۸۰ء	" ۱۹۱/7-R	۵ر ۶ر مارچ ۱۹۸۰ء
حلقہ سعود آباد	"	ضلع گوجرانوالہ	۱۷ و ۱۸ر اپریل
ر.ب ڈڈکا	۱۵ر جون	بھوڑو چک ۱۸ شیخوپورہ	۹ر مئی ۱۹۸۰ء
۶۱ ر.ب بیدیانوالہ	۱۶ر جون	ضلع فیصل آباد	
۶۰ ر.ب کھیم سنگھ والا	"	حلقہ سر شمیر روڈ پکا آنا	۱۴ر اپریل ۱۹۸۰ء
حلقہ رجوعہ تحصیل پھالیہ	(۱) ۱۰ر۔۱۱ر جنوری ۱۹۸۰ء	۳۳۲ ج.ب ڈنی دیو	۱۷ر اپریل ۱۹۸۰ء
	(۲) یکم مئی تا ۲ر مئی ۱۹۸۰ء	قیادت دارالذکر	۱۸ر " "
قیادت اسلامیہ پارک لاہور	(۱) ۲۵ر اپریل	" دارالفضل	" "
	(۲) ۹ر مئی تا ۱۰ر مئی	۶۸ ج.ب	
چک نمبر ۱۵۲ شمالی سرگودھا	۱۹ر جون تا ۲۰ر جون ۱۹۸۰ء	پپلاں	"

نام مجلس	تاریخ	
اجلاس عید میلاد النبی		
سانگلہ ہل	۳۱ر جنوری ۱۹۸۰ء	
۲۱۹ ر ب گنڈا سنگھ	۳۰ر "	"
۱۹۴ ر ب لاٹھیانوالہ	۳۱ر "	"
۲۶۶ ر ب ککڑٹیانوالہ	یکم فروری	"
۶۹ ر ب گھسیٹ پور	"	"
۱۲ ج ب حسن پور	"	"
ملتان چھاؤنی	۲۳ر مئی	"
سالانہ اجتماع		
اورنگی ضلع کراچی	۳۰ر اپریل تا یکم مئی ۱۹۸۰ء	
ضلع گجرات	۱۰ و ۱۱ر "	"
لالہ موسیٰ	۲۷ر مئی	"
کراچی صدر حلقہ کورنگی	۳ر مئی تا ۵ جون	"
خدام الاحمد ۲۷۶ فیصل آباد	۲۹ر مئی	"
" " ۲۷۵ کرتار پور	۳۰ر مئی	"
قیادت مسجد نور راولپنڈی	۱۳ تا ۱۴ر فروری	"
ٹیکسلا	۲۳ر مئی	"

مندرجہ ذیل مجالس نے حسب ذیل امور سرانجام دیئے۔ جزاھم اللہ خیرالجزاء۔

• — مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ دارالحمد قیادت ماڈل ٹاؤن لاہور کے چار چار خدام پر مشتمل تین وفود نے ماہ مئی و جون میں گلاب دیوی ہسپتال جنرل ہسپتال لاہور اور فضل عمر ہسپتال ربوہ کا دورہ کیا اور مریضوں کی عیادت کی۔ نیز ۹۰ روپے کے پھل اور ۵۰ روپے نقد نادار مریضوں میں تقسیم کئے۔

نیز اسی مجلس کے دو خدام مکرم رفیع اللہ صاحب چیمہ اور مکرم مظفر احمد صاحب نعیم نے خون کی دو بوتلیں مرکز ہلال احمر لاہور میں رضاکارانہ طور پر پیش کیں۔

مورخہ ۲ر مئی ۱۹۸۰ء بروز جمعرات مجلس اطفال الاحمدیہ اور مجلس خدام الاحمدیہ سانگھڑ کے درمیان فٹ بال کا ایک دلچسپ میچ ہوا۔ جو کہ شہر کے سٹیڈیم میں کھیلا گیا مقابلہ مجلس خدام الاحمدیہ نے جیت لیا۔

مجلس خدام الاحمدیہ ملتان چھاؤنی کے خدام اور اطفال نے مظفر گڑھ اور مظفر گڑھ سے ملتان تک سائیکل سفر کیا۔ ۲۲ میل کا یہ سفر خدام اور اطفال نے ۱½ گھنٹہ میں طے کیا۔

مورخہ یکم مئی کو مجلس خدام الاحمدیہ دارالذکر اور ماڈل ٹاؤن لاہور نے مجالس سوال و جواب کا اہتمام کیا۔ جس میں غیر از جماعت احباب نے بھی شرکت کی۔ مرکز کی طرف سے مکرم و محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب اور مکرم حافظ مظفر احمد صاحب نے شرکت فرمائی۔

مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کے زیر اہتمام مسجد احمدیہ دارالذکر کے احاطہ میں لجنہ اماء اللہ کے تعمیر ہونے والے ہال کے سلسلہ میں مورخہ [illegible]

کو ایک مثالی وقار عمل ہوا - اس وقارِ عمل میں کل ۱۳۵ خدام اور ۱۰ اطفال نے شرکت کی ۔

مجلس خدام الاحمدیہ دارالذکر فیصل آباد کے زیر اہتمام مورخہ ۳۰ رمئی بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر سمن آباد میں گورنمنٹ ایجوکیشن کالج کے سامنے واقع ریلوے پھاٹک پر وقار عمل ہوا۔ اس میں ۵۲ احباب نے شرکت کر کے سڑک کی مرمت کی ۔

مجلس خدام الاحمدیہ دارالذکر فیصل آباد کے زیر اہتمام فیصل آباد تا ربوہ سائیکل ریس ہوئی ۔

مورخہ ۵ رجون بروز جمعرات بعد نماز مغرب مجلس خدام الاحمدیہ ضلع کراچی کے زیر اہتمام احمدیہ ہال کراچی میں ایک تبلیغی جلسہ منعقد ہوئی - اس میں ۱۲۵ غیراز جماعت احباب نے شرکت کی ۔

قیادت خدام الاحمدیہ ملتان شہر کے تحت خدام اور اطفال بذریعہ بس دریائے چناب کے کنارے پہنچے اور اس ٹرپ میں علمی مقابلہ جات بھی ہوئے ۔اس کے علاوہ ۲۴ تا ۲۵ راپریل کو ایک تربیتی کلاس کا انتظام کیا گیا - اور ۲۴ کو نفلی روزہ بھی رکھا گیا - اس کلاس میں ورزشی اور علمی مقابلہ جات ہوئے ۔اس کے علاوہ ۲ رمئی کو ایک وقار عمل ہوا جس میں ۱۸ خدام اور ۵۰ اطفال نے شرکت کی ۔

۲۷ رجون کو قیادت باٹا پور ایک گھنٹہ وقار عمل کر کے ۷۶۰ مربع فٹ جگہ کی صفائی کی ۔

قیادت مارٹن روڈ کراچی نے یکم مئی کو گڈانی بیچ کے مقام پر ایک پکنک کی جس میں ۹۰ خدام اور ۱۰ انصار نے شرکت کی ۔

قطعات

(۱)

بلبل، نہ بہاریں نہ یہ گلشن ہوگا
یہ عمر کا فانوس نہ روشن ہوگا
نیکی ہی رہے گی بس ابد تک قائم
یہ روپ رہے گا نہ یہ جوبن ہوگا

---

(۲)

انمول جواہر کا خریدار ہے کوئی
یا عزت و عظمت کا پرستار ہے کوئی
ہر ایک ہی طالب ہے بہ اندازہ ہمت
مولا تیری رحمت کا طلب گار ہے کوئی

---

(۳)

اب وہ کلیاں، نہ تبسم نہ چہکتے غنچے
سو گئے درد کی دہلیز پہ رنگین نغمے
رونقیں ماند ہوئیں لالہ و گل کی یکسر
چھا گئے چاروں طرف شام کے ویراں سائے

(انور ندیم علوی ---- نواب شاہ)

صرف ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا

Monthly
Rabwah

August 1980

Regd. No. L5830